انفاق المحبوب

(راہِ خدا میں پسندیدہ چیز خرچ کرنا)

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	وجہ بیان	۵
۲	ترکِ شہوات کی ضرورت	۶
۳	شبہ کا جواب	۶
۴	حرام وحلال تعلق میں فرق	۸
۵	گناہ کا نقصان	۹
۶	نور وظلمت کا ادراک	۱۰
۷	مسلمان کی قبر منور ہوتی ہے	۱۰
۸	قبر میں حضور ﷺ کی زیارت	۱۱
۹	خواب میں حضور ﷺ کی زیارت	۱۲
۱۰	حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی فضیلت	۱۳
۱۱	شریعت میں امورِ طبعیہ اور جذبات شرعیہ کی رعایت	۱۴
۱۲	حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کو سامنے آنے سے منع کرنے کی وجہ	۱۵
۱۳	شرعی رخصتوں پر عمل نہ کرنا احکام الٰہی کی ناقدری ہے	۱۶
۱۴	حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کی فرمانبرداری	۱۸
۱۵	اعمال مقصود ہیں، احول نہیں	۱۸
۱۶	قبر میں حضور ﷺ کی زیارت کا راز	۱۹
۱۷	مسلمان کو گناہ سے وحشت ہونے کی وجہ	۲۰
۱۸	مجاہدے کی ضرورت	۲۰
۱۹	سب انبیاء علیہم السلام کا دین متحد ہے	۲۱
۲۰	حکایت	۲۲
۲۱	صوفیاء کے استدلال کا جواب	۲۳
۲۲	تفسیر آیت	۲۴

۲۳	امر بالمعروف کا طریقہ	۲۵
۲۴	صرف کتاب پڑھ کر بغیر سیکھے عمل مشکل ہے	۲۶
۲۵	امر بالمعروف کا طریقہ سیکھنے کی ضرورت	۲۶
۲۶	بلاصحبت وسیکھے صرف لکھے پر عمل کرنے کی تمثیل	۲۷
۲۷	صحبت محقق کی ضرورت	۲۸
۲۸	امر بالمعروف کی ہر ایک کو اجازت نہیں	۲۸
۲۹	امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی حکمت	۲۸
۳۰	حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا ادب	۲۹
۳۱	طاعات میں ہمارا انتخاب	۳۰
۳۲	انفاق مالی کا اہتمام اور اس کا معتبر وغیر معتبر درجہ	۳۱
۳۳	اعمال کی ادائیگی میں لوگوں کا طرز عمل	۳۲
۳۴	زکوٰۃ کی ادائیگی میں لوگوں کی کوتاہی	۳۲
۳۵	صدقات کی ادائیگی میں بزرگوں کا معمول	۳۴
۳۶	صدقات مالیہ کے لئے معمول مقرر کرنے کی ضرورت نہیں	۳۴
۳۷	نفس کی چالاکیاں	۳۵
۳۸	اصلاح کے لئے شیخ محقق کا انتخاب	۳۶
۳۹	علماء کو بھی اپنی اصلاح کے لئے علمائے محققین کی ضرورت ہے	۳۷
۴۰	مشورہ کی اہمیت	۳۸
۴۱	اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کے آداب	۳۸
۴۲	فضیلت علم	۴۱
۴۳	آیات میں ربط	۴۳
۴۴	انفاق علمی	۴۴
۴۵	انفاق دعائی	۴۴
۴۶	خلاصہ تقریر	۴۵
۴۷	طریقۂ استدلال اور ربط آیات	۴۵
۴۸	حاصلِ وعظ	۴۷

وعظ

انفاق المحبوب

(راہِ خدا میں پسندیدہ چیز خرچ کرنا)

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے یہ وعظ ۲۷ ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ بعد نماز جمعہ مسجد خانقاہ اشرفیہ میں بعض احباب کی درخواست پر تشریف فرما ہوکر دو گھنٹہ تک ارشاد فرمایا۔

سامعین کی تعداد تقریباً پچاس تھی، ہر طبقہ کے لئے مفید ہے۔

وعظ میں اس مضمون کو بیان کیا گیا کہ ہم لوگوں کو انفاق کی عادت ڈالنی چاہیئے اور انفاق صرف مال ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ علم اور نفس میں بھی ہے کہ فیض پہنچائے، لوگوں کے ساتھ ہمدردی کرے ان کی خدمت کرے، اور ترکِ شہوات کا انفاق میں داخل ہونا قیاس سے معلوم ہوا ہے۔

محدث کبیر علامہ ظفر احمد عثمانی نور اللہ مرقدہ نے اس وعظ کو قلم بند فرمایا تسوید تفصیلی یکم محرم ۱۳۴۴ھ کو شروع فرما کر ۵ محرم ۱۳۴۴ھ کو مکمل فرمائی۔

احقر نے ۱۳ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ ایک شب میں اس پر عنوانات اور حواشی قلم بند کئے۔

خلیل احمد تھانوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبۂ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد انّ سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ الہ واصحابہ و بارك وسلم **اما بعد:**

فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیْمٌ﴾(۱)

وجہ بیان

جس آیت کی میں نے تلاوت کی ہے اس کے متعلق گذشتہ جمعہ کو بیان کا قصد تھا کیونکہ ایک دوست کی درخواست تھی کہ کچھ بیان کردیا جائے۔ چونکہ عادت یہ ہے کہ میں مضمون میں تکلف نہیں کرتا بلکہ ضرورت کے موافق جو مضمون سمجھ میں آگیا بیان کردیا اس لئے میں نے یہ کہہ دیا کہ اگر کوئی مضمون وقت پر سمجھ آگیا تو بیان کردوں گا پھر اتفاق سے اس جمعہ کو نیند کی کمی کی وجہ سے طبیعت اچھی نہ رہی اور وعدہ اس پر بھی معلق تھا کہ طبیعت بھی اچھی رہی تو ان شاء اللہ بیان کردوں گا۔ مضمون تو اُسی جمعہ کو ذہن میں آگیا تھا مگر دوسری شرط نہ پائی گئی یعنی طبیعت اچھی نہ

(۱) ''تم خیر کامل کو کبھی نہ حاصل کرسکو گے یہاں تک کہ اپنی پیاری چیز کو خرچ نہ کروگے اور جو کچھ بھی خرچ کروگے اللہ تعالیٰ اس کو بھی خوب جانتے ہیں'' سورۂ ال عمران:۹۲۔

رہی اس لئے بیان نہ ہوا، اب بحمداللہ طبیعت بھی اچھی ہے اس لئے بیان کرتا ہوں۔

ترکِ شہوات کی ضرورت

یہ آیت میرے قلب پر بے ساختہ نہیں آئی بلکہ ضرورت کی وجہ سے اس کو منتخب کیا تھا ایک ضرورت تو یہ تھی کہ بڑی بلا ہمارے اندر یہ ہے کہ ہم شہوات کے پابند ہیں اور اس کا علاج ترکِ شہوات (۱) کے سوا کچھ نہیں اس لئے ہم سب کو ترکِ شہوات کی ضرورت ہے خصوصاً سالکین کو کیونکہ سلوک کا تو مدار اسی پر ہے کہ نفس کو شہوات سے روکا جاوے جس میں معاصی سے تو بالکلیہ ہی رکنا ضروری ہے (۲) اور مباحات کی بھی تقلیل ضروری ہے (۳) یہی مجاہدہ ہے مثلاً راستہ میں کسی عورت یا امرد کو آتا ہوا دیکھا اور جی میں آیا کہ اس کو گھوروں اس وقت اکثر لوگ نفس کو شہوت سے نہیں روکتے بس جی میں دیکھنے کا خیال آیا اور فوراً دیکھ لیا خواہ دیکھنے کے بعد نفرت ہی ہوجائے کیونکہ سب حسین ہی نہیں ہوتے مگر ان سے بدون دیکھے نہیں رہا جاتا۔

شبہ کا جواب

اس پر میرے ایک دوست کو یہ شبہ ہوا کہ چونکہ بعض دفعہ سامنے سے آئی ہوئی عورت قریب آکر بُری معلوم ہوتی ہے اس کو اچھی طرح دیکھ لینے سے دل میں نفرت پیدا ہوجاتی ہے کیونکہ اجمالی نظر پر اکتفا کرلینے سے قلب میں یہ خیال رہتا ہے کہ شاید حسین ہو اور دیر تک قلب مشوّش رہتا ہے (۴)

---

(۱) خواہشات کو چھوڑنے کے علاوہ کچھ نہیں (۲) گناہوں سے تو مکمل طور پر رکنا ضروری ہے (۳) جو چیزیں جائز ہیں ان میں بھی کمی کی ضرورت ہے (۴) دل پریشان رہتا ہے۔

اگر تفصیلی نظر سے دیکھ لیا جاتا تو تشویش (۱) نہ رہتی بلکہ نفرت پیدا ہوجاتی ہے۔

میں نے کہا کہ یہ بات تو تفصیلی نظر کے بعد معلوم ہوگی کہ یہ قابل نفرت ہے پہلے سے اس کا یقین کیونکر ہوسکتا ہے کہ یہ نفرت ہی کے قابل ہے بلکہ پہلے تو دونوں احتمال ہیں کہ شاید قابلِ نفرت ہو یا قابلِ رغبت ہو، پھر اس خطرہ کی حالت میں نظر تفصیلی کی کیونکر اجازت ہوسکتی ہے ممکن ہے کہ بعد میں وہ ایسی ظاہر نہ ہو اور اگر بعد میں وہ قابلِ نفرت نہ نکلی بلکہ قابلِ محبت نکلی تو اب تشویش اس سے زیادہ ہوگی جو اجمالی نظر پر اکتفا کر لینے سے ہوتی ہے اگرچہ اس وقت ممکن ہے کچھ لذت حاصل ہو مگر وہ بلا ہوگی (۲) کیونکہ ہر لذیذ چیز حاصل تو نہیں ہوجاتی اور اگر حاصل بھی ہوجائے تو کیا ہوگا پھر بھی مصیبت کا سامنا ہے عذاب آخرت تو ہے ہی جو ناقابل برداشت ہے، دنیا میں بھی اس سے کلفت (۳) ہوتی ہے کیونکہ ایسی لذتیں جن میں صرف نفس کا شائبہ ہو اور دین بالکل نہ ہو دوام نہیں (۴) رکھتیں الّا شاذو نادر (۵) اور جب دوام نہ ہو تو سخت کوفت وقلق ہوگا (۶) کیونکہ ایک بار حصولِ لذت سے محبت قلب میں جاگزیں ہوچکی ہے جس سے بعد افتراق (۷) کے سخت تکلیف ہوتی ہے جو بعض دفعہ موت تک مفضی (۸) ہوجاتی ہے اس اعتبار سے یہ کلفت عذاب جہنم کے مشابہ بلکہ ایک اعتبار سے اس سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ وہاں کے عذاب سے موت تو نہ آئے گی اور اس عذاب سے تو موت آجاتی ہے اور جو عذاب موت تک پہنچادے وہ اس سے اشد ہے جس سے موت نہ آئے۔

یہ ایک خاص پہلو کے اعتبار سے ایک لطیفہ ہے ورنہ حقیقت میں آخرت کا عذاب ہی بڑا ہے، اور یہ فرق کہ یہاں کی بعض کلفتیں موت تک

(۱) پریشانی (۲) مصیبت (۳) پریشانی (۴) مستقل نہیں ہوتیں (۵) مگر بہت کم (۶) بہت پریشانی اور رنج ہوگا (۷) جدائی کے بعد بہت تکلیف ہوتی ہے (۸) موت کا باعث ہوجاتی ہے۔

مفضی ہوجاتی ہیں(۱) اور وہاں کا عذاب مفضی الی الموت نہیں (۲) اس وجہ سے ہے کہ یہ عالم دائم نہیں اور وہ عالم دائم (۳) ہے اگر وہ عالم بھی فانی (۴) ہوتا تو عذاب جہنم سے نہ معلوم کتنی دفعہ موت آیا کرتی غرض جس نظر میں اتنے بڑے خطرہ کا احتمال ہو شریعت اس کی کب اجازت دے سکتی ہے اور عقل بھی اس کو گوارا نہیں کرسکتی کہ محض اس احتمال پر کہ شاید یہ قابل نفرت ہو دیکھ لیا جائے چاہے بعد میں انجام کچھ ہی ہو اگر بعد میں وہ قابلِ محبت ہوئی اور وصال نہ ہوا یا وصال ہوا اور دوام نہ ہوا (۵) تو اس ایک نظر کی لذت ساری لذتوں کو برباد کردے گی۔

حرام وحلال تعلق میں فرق

اور اگر وصال کے بعد افتراق (۶) بھی نہ ہوا تب بھی تعلق حرام میں وہ لذت نہیں ہوتی جو تعلق حلال میں ہے کیونکہ تعلق حرام میں گو اسباب استمرار کے (۷) موجود ہوجائیں لیکن چونکہ وہ علاقہ باضابطہ (۸) نہیں اس لئے اس میں سکون قلب حاصل نہیں ہوتا اس سے تمتع چوری چھپے ہوتا ہے کہ کوئی آنہ جاوے کوئی دیکھ نہ لے، یہ کھٹکا ساری لذت کو برباد کردیتا ہے بس گدھے اور کتوں کی طرح لذت اٹھاتا ہے اور اگر کبھی عین تمتع کے وقت کسی کی آہٹ محسوس ہوگئی پھر تو ہوش اڑ جاتے ہیں اور تعلق حلال میں یہ بات نہیں وہاں سکون واطمینان سے تمتع ہوتا ہے اور نشاط کامل کے ساتھ ہوتا ہے اور اگر کبھی اتفاق سے تعلق حلال میں افتراق بھی ہوجائے تو بے چینی نہیں ہوتی کیونکہ تعلق باضابطہ ہے اس میں یہ اطمینان رہتا ہے کہ جب دل چاہے گا مل لیں گے، اور اگر کسی کا اندیشہ بھی نہ ہو تو

(۱) بعض پریشانیاں موت تک پہنچادیتی ہے (۲) وہاں کا عذاب موت تک پہنچانے والا نہیں (۳) یہ اس لئے کہ یہ عالم ہمیشہ رہنے والا نہیں وہ ہمیشہ رہنے والا ہے (۴) ختم ہونے والا (۵) اگر وہ چیز مل گئی اور مستقل نہ ہوئی (۶) جدائی (۷) حرام تعلق میں اگرچہ ایسے اسباب بھی ہوں کہ وہ ہمیشہ قائم رہیں (۸) کیونکہ وہ تعلق شرعی نہیں۔

خود اس محبوب سے یہ اندیشہ رہتا ہے کہ معلوم نہیں کب برداشتِ خاطر (۱) ہوجاوے اور باضابطہ اس پر اختیار تو ہے نہیں کہ اس احتمال کا قاطع (۲) ہوجاوے۔

گناہ کا نقصان

دوسرے تعلق حرام میں اس عقلی قلق (۳) کے علاوہ ایک شرعی قلق بھی ہوتا ہے وہ یہ کہ مسلمان کو گناہ کرتے ہوئے خدا تعالیٰ کا خوف ضرور ہوتا ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوں گے اور آخرت میں عذاب ہوگا یہ خیال ساری لذت کو مکدر کردیتا ہے اس لئے مسلمان کا گناہ کرنا تو محض حماقت ہی ہے گناہ کرے تو کافر کرے جس کو یہ خدشہ نہ ہو (کیونکہ وہ آخرت کا قائل ہی نہیں) تو اس کو لذت تو آئے گی اور مسلمانوں کا گناہ تو بے لذت ہے پھر گناہ بے لذت میں کیا نفع، اور ایک بات اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ مسلمان کو دنیا میں بھی گناہ کرکے سخت تکلیف پہنچتی ہے کیونکہ گناہ کی خاصیت ہے کہ اس سے قلب میں ظلمت پیدا ہوتی ہے جس سے ایک وحشت اور بے چینی دل پر غالب ہوجاتی ہے انشراح اور اطمینان کی کیفیت زائل ہوجاتی ہے یہی وجہ ہے کہ گنہگار کے دل کو مطیع و متقی کی برابر راحت نہیں ہوتی نیز گنہگار کا دل اس ظلمت و وحشت کی وجہ سے کمزور بھی ہوجاتا ہے جس کا تجربہ نزول حوادث کے وقت (۴) ہوتا ہے کہ متقی اس وقت مستقل مزاج رہتا ہے اور گنہگار کے حواس باختہ ہوجاتے ہیں (۵) اور اگر کسی کو گناہ کرکے ظلمت محسوس نہ ہو تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کو نور ہی کا احساس نہیں ہوا، باقی جس کو بالکل ہی نور کا احساس نہ ہوا ایسا تو کافر ہی ہوسکتا ہے مومن کو ایمان کی وجہ سے نور ضرور حاصل ہوتا ہے اور جو شے حاصل ہے اس کا احساس بھی ضرور ہے گو اس کی طرف التفات (۶) نہ ہو جیسے

(۱) کب اس کا دل اُٹھ جائے (۲) اس احتمال کو ختم کردے (۳) عقلی رنج (۴) مصیبتوں اور پریشانیوں کے آنے کے وقت (۵) ہوش اڑجاتے ہیں (۶) توجہ۔

ہماری آنکھ آفتاب کی روشنی ہی میں کام کرتی ہے مگر اس کی طرف التفات کبھی نہیں ہوتا چنانچہ ہم بارہا خط دیکھتے اور کتاب لکھتے ہیں مگر کبھی اس کا دھیان بھی نہیں آتا کہ ہماری آنکھ کی روشنی کے ساتھ ایک اور روشنی بھی ہے اور ہم اُس سے یہ کام کررہے ہیں ہاں رات کو اندھیرے میں اس طرف التفات ہوتا ہے کہ ہماری آنکھ کی روشنی آفتاب کی روشنی سے مل کر ابصار کا سبب (۱) تھی اس لئے اس وقت قندیل (۲) کی ضرورت پڑتی ہے اسی طرح مسلمان کو گناہ کرکے معلوم ہوتا ہے کہ میرے اندر ایک نور تھا جو اس وقت گُل ہوگیا۔

نور وظلمت کا ادراک

پھر ادراک نور (۳) سے ادراک ظلمت اس میں بھی درجے ہیں بعض لوگوں کو ہر وقت نور سے تلبس رہتا ہے ان کو ظلمت کا ادراک بھی اس قدر قوی ہوتا ہے کہ ظلمت سے بے حد وحشت (۴) ہوتی ہے چنانچہ بعض لوگ جو قندیل (۵) روشن کرکے سوتے ہیں ان کو اندھیرے سے اس قدر وحشت ہوتی ہے کہ اندھیرے میں ان کو نیند بھی نہیں آتی۔

مسلمان کی قبر منور ہوتی ہے

اکبر بادشاہ کا ایک قصہ یاد آیا وہ ایک بار رات کو اٹھے تو سارے قندیل گُل تھے (۶) بہت گھبرائے اور چونکہ مسلمان تھے اس لئے ظلمتِ قبر یاد آئی (۷) کہ جب تھوڑی دیر کی ظلمت سے اتنی وحشت اور پریشانی ہے تو قبر میں کیا حال ہوگا جہاں کسی وقت بھی روشنی کا گذر نہ ہوگا اس کو یاد کرکے ان پر بڑا تردد اور غم سوار ہوگیا، وزراء کو اس حال کی اطلاع کی سب نے تسلی کی مگر کسی طرح تسلی نہ ہوئی بیربل

(۱) دیکھنے کا ذریعہ (۲) چراغ (۳) نور کا احساس (۴) گھبراہٹ (۵) چراغ یا لائٹ جلاکر سوتے ہیں (۶) تمام چراغ بجھے ہوئے تھے (۷) قبر کا اندھیرا۔

گو ہندو تھا، مگر عاقل تھا اس نے کہا حضور آپ بالکل بے فکر رہیں آپ کی قبر میں ہرگز ظلمت نہیں ہوسکتی کیونکہ آپ کے رسول ﷺ دنیا میں صرف تریسٹھ سال زندہ رہے اور آپ کے نور سے تمام عالم منور ہوگیا جس کا اثر اب تک باقی ہے پھر آپ جب سے زیر زمین تشریف لے گئے ہیں وہ نور اب زیر زمین ہے جس سے وہ حصہ منور ہے لہذا مسلمانوں کی سب قبریں آپ کے اس نور سے منور ہیں اس بات سے اکبر کی تسلی ہوگئی، گو یہ بات بیربل نے لطیفہ کے طور پر کہی تھی کہ آپ کے زیر زمین جانے سے وہ حصہ بھی منور ہوگیا ہے مگر اس میں اسکا تو اعتراف ہوگیا کہ آپ کی تریسٹھ سالہ زندگی سے تمام عالم منور ہوگیا ہے ''وَالْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الاعداءُ''

قبر میں حضور ﷺ کی زیارت

اور علماء کے اقوال سے ایک بات ایسی معلوم ہوتی ہے جس سے بیربل کا یہ قول محض لطیفہ ہی نہیں رہتا بلکہ حقیقت کے قریب ہے جس کی تائید اقوال علماء سے ہورہی ہے وہ یہ کہ حدیث میں ہے کہ قبر میں مُنکَر نکیر مردہ سے کہیں گے: ((مَا تَقُولُ فِی هٰذَا الرَّجُلِ)) ''تم اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو'' یہ لفظ مُنکَر بفتح الکاف ہے بکسر الکاف نہیں عام لوگ مُنکِر بکسر الکاف کہتے ہیں (۱) یہ غلط ہے وہاں مُنکِر کوئی نہ ہوگا بلکہ دنیا کے مُنکِر بھی وہاں جا کر مقر (۲) ہوجائیں گے صحیح لفظ مُنکَر ہے جس کے معنی ناآشنا کے ہیں اور یہی معنی نکیر کے ہیں اور حکمت ان ناموں کے اختیار کرنے میں یہ ہے تاکہ سنتے ہی فکر ہوجائے کہ وہاں ایسے لوگوں سے سابقہ پڑے گا جو ناآشنا ہوں گے غرض وہ مردے سے اس طرح

(۱) (مُنکَر) کاف کے زبر کے ساتھ ہے کاف کے زیر کے ساتھ (مُنکِر) نہیں ہے (۲) اقرار کرنے والے۔

سوال کریں گے ((مَا تَقُوْلُ فِی هٰذَا الرَّجُلِ)) اس میں دو احتمال ہیں ایک تو یہ کہ بوجہ شہرت وعظمت کے نام نہ لیا ہو اور اشارہ کو کافی سمجھا ہو کیونکہ مشہور آدمی کی طرف قرائن سے غائبانہ بھی اشارہ کر دیا کرتے ہیں جیسے شہر میں کوئی مشہور بزرگ آجائیں جن کے استقبال کو ہزاروں آدمی جارہے ہوں تو اس وقت بعضے آدمی پوچھا کرتے ہیں کہ بھائی یہ کون صاحب ہیں؟ یعنی آنے والے حالانکہ سوال کے وقت نہ ان کی طرف اشارہ حسیہ ہے نہ نام لیا گیا(۱) مگر پھر بھی اسم اشارہ سے سوال کرتا ہے تو یہ اشارہ معہود ذہنی (۲) کی طرف سے ہے کیونکہ اس مشہور آدمی کا آنا سب کو معلوم ہے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ اشارہ اپنی حقیقت پر ہو یعنی مشار الیہ محسوس ہوں اور حضور ﷺ میت کو منکشف (۳) ہو جائیں بعض علماء نے اسی دوسرے احتمال کو اختیار کیا ہے ((وَاَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ))(۴) اگر کوئی یہی گمان رکھے تو امید ہے کہ ان شاء اللہ اس کے لئے حضور ﷺ منکشف ہی ہو جائیں گے (۵) یہ بڑی دولت ہے۔

خواب میں حضور ﷺ کی زیارت

بہت لوگ اس کی حسرت میں ہیں پس تم یہی گمان رکھو کہ ان شاء اللہ قبر میں زیارت ہوگی، کیا عجب ہے کہ حسرت پوری ہو جائے بعض لوگ اس کی ترکیبیں پوچھا کرتے ہیں کہ کوئی وظیفہ یا درود ایسا بتلا دو جس سے حضور ﷺ کی زیارت خواب میں ہو جائے۔ گو بزرگوں نے اس کے طریقے بھی لکھے ہیں مگر حقیقت میں یہ محض موہبت (۶) ہے اختیاری چیز نہیں اسی لئے اگر خواب میں کسی کو زیارت

(۱) نہ اشارہ محسوس ہے نہ نام لیا گیا (۲) یعنی ذہن میں وہ آدمی معین ہوتا ہے (۳) میت کو نظر آئیں (۴) میں انسان کے ساتھ اس کے گمان کے مطابق معاملہ کرتا ہوں (۵) اس کو حضور ﷺ کی زیارت ہو ہی جائیگی (۶) مگر یہ صرف عطیہ خداوندی ہے۔

ہوجائے تو یہ کچھ کمال مامور بہ(۱) نہیں (گو نعمتِ عظیمہ ہے) اور اگر کسی کو عمر بھر زیارت نہ ہو تو یہ کچھ نقص منہی عنہ نہیں (۲) کیونکہ کمال و نقص کا مدار تو امور اختیاریہ ہیں غیر اختیاری امور کے نہ ہونے سے نقص لازم نہیں آتا اور خواب میں دیکھ لینا امر غیر اختیاری (۳) ہے تو نہ کچھ کمال ہے اور نہ اس کی ضد کچھ نقص ہے بلکہ خود بیداری میں اختیار سے دیکھ لینا گو فضیلت ہے مگر نہ دیکھنا کوئی ایسا نقص نہیں جس میں کوئی دینی نقص ہو بلکہ بعض حالتوں میں دیکھنے پر نہ دیکھنے کو ترجیح ہوجاتی ہے۔ حضور ﷺ کو بحالت زندگی بعض ایسے لوگوں نے بھی دیکھا ہے جو مرتکب کبائر تھے گو کفار نے بھی دیکھا مگر ان کا دیکھنا تو نہ دیکھنے کے حکم میں ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ وَتَرٰهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴾ (۴)

کفار کے دیکھنے کی تو ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص کسی حسین و جمیل محبوب کی صورت خوردبین کے آئینہ میں دیکھے جس میں چھوٹی شے بہت بڑی معلوم ہوتی ہے اب اس کو محبوب کا قد شہتیر سے بھی بڑا نظر آئے گا اور ناک ہاتھی کی۔

حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی فضیلت

دیکھئے حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو باوجودیکہ زیارت نہیں ہوئی مگر ان کی وہ فضیلت ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ اگر تم اویس سے ملو تو ان سے اپنے واسطے دعا کرانا وہ بڑے مستجاب الدعوات (۵) ہیں ان کی شفاعت سے مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت بخشی جائے گی اور ان کے نہ دیکھنے پر اس لئے ترجیح تھی کہ وہ خود سرکار ﷺ کے روکے ہوئے تھے ان کی والدہ بہت بوڑھی اور ضعیف تھیں

(۱) اس کو حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہو ایسا نہیں ہے (۲) یہ ایسا نقصان نہیں ہے کہ جس سے منع کیا گیا ہو (۳) غیر اختیاری بات ہے (۴) ''اور اُن کو آپ دیکھتے ہیں کہ گویا وہ آپ کو دیکھ رہے ہیں اور وہ کچھ بھی نہیں دیکھتے'' سورۂ اعراف: ۱۹۸ (۵) ان کی دعا قبول ہوتی ہے۔

اور خدمت کرنے والا ان کے سوا کوئی دوسرا نہ تھا اس وقت ان کے لئے خدمتِ والدہ سفرِ مدینہ سے زیادہ اہم تھی اس لئے حضور ﷺ کی زیارت کو نہ آسکے، کیا ان کا دل نہ تڑپتا ہوگا ضرور تڑپتا ہوگا آج ہم لوگ دیدارِ نبوی ﷺ کی حسرت میں ہیں حالانکہ کوئی صورت متوقع نہیں اور حضرت اویس رضی اللہ عنہ نے تو حضور ﷺ کی حیات کا زمانہ پایا ہے جس میں زیارت متوقع تھی مگر وہ اس واسطے نہ جاسکے کہ ؎

أُرِيْدُ وِصَالَهُ وَيُرِيْدُ هِجْرِيْ فَأَتْرُكُ مَا أُرِيْدُ لِمَا يُرِيْدُ (۱)

میل من سوئے وصال ومیل اوسوئے فراق ترکِ کامِ خود گرفتم تا برآید کامِ دوست (۲)

وہ تو آنا چاہتے تھے مگر خدا اور رسول ﷺ کا حکم یہی تھا کہ ماں کی خدمت کے لئے اپنے گھر ہی پر رہو اور اطاعت واجب تھی اور زیارت مستحب، اور حضرت اویس رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر حضرت وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے یہ حالتِ کفر میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل تھے بعد میں اسلام لے آئے اور حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوئے آپ نے ان سے فرمایا ((هَلْ تَسْتَطِيْعُ اَنْ تَغِيْبَ وَجْهَكَ عَنِّيْ)) ''اے وحشی! کیا تم اپنا چہرہ مجھ سے غائب رکھ سکتے ہو؟'' یعنی ایسا ہوسکتا ہے کہ تم عمر بھر میرے سامنے نہ آؤ۔

شریعت میں امورِ طبعیہ اور جذباتِ شرعیہ کی رعایت

واللہ! یہ واقعہ تنہا حضور ﷺ کی حقانیت کے لئے کافی ہے کہ آپ کو قاتل حمزہ رضی اللہ عنہ کی صورت دیکھنے سے طبعًا ملال وکوفت ہوتی تھی تو بے تکلف آپ نے اس طبعی اثر کو ظاہر فرمادیا کوئی دوسرا ہوتا تو ضرور بناوٹ کرتا اور اپنے رنج کو چھپاتا کہ ایسی

(۱) میں تو اس کے وصال کا خواہاں ہوں اور وہ میری جدائی کے درپے ہے۔ پس میں نے اپنی خواہش کو اس کی مرضی کے تابع کرتے ہوئے اپنا ارادہ ترک کردیا ہے (۲) میرا دل اس سے ملنے کو چاہتا ہے لیکن وہ مجھ سے دور رہنا چاہتا ہے میں نے اپنی خواہش تمنا کو چھوڑ دیا ہے تاکہ میرے محبوب کی خواہش پوری ہوجائے۔

بات کیا کہوں جس سے دوسروں کو یہ خیال ہوگا کہ معافی کے بعد بھی ان کے دل میں غبار ہے اور یوں کہے گا کہ اسلام سے خدا تعالیٰ نے تو پہلے گناہوں کو معاف فرمادیا اوران کے دل میں ابھی تک پہلی باتوں کا اثر باقی ہے لیکن حضور ﷺ کو اس کی مطلق پرواہ نہ تھی کہ کوئی معتقد رہے گا یا نہیں اس لئے صاف صاف فرمادیا کہ اے وحشی اگر تم عمر بھر کے لئے مجھ سے اپنا منہ چھپالو تو اچھا ہے۔

حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کو سامنے آنے سے منع کرنے کی وجہ

اس کی وجہ یہ تھی کہ اس طریق میں تکدر قلب شیخ مانع وحاجب ہے(۱) اس لئے حضور ﷺ نے ان کو اپنے سامنے آنے سے روک دیا کہ روز روز دیکھ کر انقباض(۲) ہوگا اور میرے انقباض سے ان کو ضرر ہوگا کہ فیوض و برکات سے حرمان(۳) ہوجائے گا اس میں حضور ﷺ نے صرف اپنی ہی راحت کا سامان نہیں کیا بلکہ ان کی راحت کا بھی سامان تھا کہ ان کو بُعد ہی میں ترقی ہوسکتی ہے قرب میں نہ ہوگی، اسی لئے صوفیاء نے تصریح کی ہے بعض مریدوں کے لئے شیخ سے بُعد ہی مفید ہے ان کو قرب میں زیادہ نفع نہیں ہوتا دوسرے اس میں حضور ﷺ نے امت کو بھی اس قسم کے امورِ طبعیہ اور جذبات بشریہ کی رعایت وموافقت کی اجازت دے دی اور بتلادیا کہ مجرم کی خطا معاف کردینا اور ہے اور دل کھل جانا اور ہے یہ ضرور نہیں کہ خطا معاف کردینے کے ساتھ فوراً ہی دل بھی کھل جائے اس واقعہ میں حضرت وحشی رضی اللہ عنہ سے جو خطا ہوئی تھی یعنی قتل حمزہ وہ اسلام سے پہلے ہوئی تھی اور اسلام لانے سے گذشتہ سب گناہ معاف ہوجاتے ہیں تو یقیناً ان کی خطا معاف کردی گئی تھی مگر

(۱) راہِ سلوک میں شیخ کے دل میں مرید کی طرف سے کسی قسم کی ناگوار خاطر بات پیش آنے سے اس کو شیخ سے فیض حاصل نہیں ہوتا (۲) دل گھٹے گا (۳) روحانی فیض اور برکتوں سے محروم رہیں گے۔

خطا معاف کردینے سے وہ طبعی اثر معاً کیونکر دل سے زائل ہوجاتا کہ صورت دیکھ کر قاتل ہونے کا بھی خیال نہ آتا اس لئے آپ نے حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کو اپنے سامنے آنے سے منع فرمادیا۔ لوگ اس میں بہت غلطی کرتے ہیں کہ خطا کی معافی اور دل کی صفائی کو لازم وملزوم سمجھتے ہیں یہ غلطی ہے، خطا معاف کردینے سے فوراً دل صاف نہیں ہوجاتا دیکھو اگر تم کسی کے نشتر چبھادو پھر معافی چاہو اور وہ اسی وقت معاف بھی کردے تو کیا معاف کردینے سے زخم بھی فوراً اچھا ہوجائے گا ہرگز نہیں، بلکہ اس کا علاج معالجہ مہینوں ہفتوں کروگے تب کہیں اچھا ہوگا یہی حال دل کے زخم کا ہے کہ خطا معاف کردینے سے وہ معاً مندمل (۱) نہیں ہوجاتا بلکہ دیر میں اچھا ہوتا ہے اور کبھی خطا کار کو بار بار سامنے آنے سے منع کردوتا کہ دل کا زخم زیادہ نہ بڑھے اور جلدی اچھا ہوجائے مگر بعض لوگ اپنی اس حالت کے ظاہر کرنے سے شرماتے ہیں کہ لوگ یوں کہیں گے کہ ان کے دل میں معافی کے بعد بھی غبار ہے یہ محض تصنع ہے (۲) اور بعضے اس سے تو نہیں شرماتے مگر دوسرے شخص کی دل شکنی کے خیال سے اس کو سامنے آنے سے منع نہیں کرتے اور اپنے دل پر جبر کئے رہتے ہیں گو یہ عزیمت ہے۔

شرعی رخصتوں پر عمل نہ کرنا احکام الٰہی کی ناقدری ہے

مگر کبھی اس رخصت پر بھی عمل کرنا چاہیئے جس پر حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کیا ہے اگر رخصت شرعیہ سے ہم انتفاع نہ کریں گے تو کیا فرشتے انتفاع کرینگے اور میرے نزدیک اس کا معیار یہ ہونا چاہیئے کہ جس شخص کے

(۱) ایک دم سے زخم نہیں بھرتا (۲) یہ صرف دکھاوا اور بناوٹ ہے۔

سامنے آنے سے کلفت قابل برداشت (۱) ہوتی ہو وہاں عزیمت پر عمل کرلے اور جہاں کلفت نا قابل برداشت ہوتی ہو وہاں رخصت پر عمل کرلے۔

(حضور ﷺ کو بہت لوگوں نے ایذادی (۲) مگر چونکہ وہ ایذائیں آپ کی ذات تک محدود تھیں اس لئے ان کو آپ بہت جلد دل سے بھلا دیتے تھے اور ان ایذاء دینے والوں کے اسلام کے بعد ان کی پہلی ایذاء کا آپ کو خیال بھی نہ رہتا تھا اور حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کی ایذاء کا اثر آپ کی ذات ہی تک نہ تھا بلکہ انہوں نے حضور ﷺ کے چچا کو قتل کیا تھا اور بُری طرح قتل کیا تھا جس کا صدمہ حضور ﷺ کو بھی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے سب عزیزوں کو بہت تھا، جس کی وجہ سے حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کی صورت دیکھنے کا آپ کو تحمل (۳) نہ تھا اس لئے یہاں آپ نے رخصت پر عمل فرمایا ۱۲ اظ) لیکن بعض لوگوں کو ہر حالت میں عزیمت ہی پر عمل کرنے کا شوق ہوتا ہے یہ کوئی کمال نہیں چنانچہ بعض لوگ عمدہ غذائیں بھی نہیں کھاتے اگر معالجہ کے طور پر ایسا کیا جائے تو اور بات ہے مثلاً کسی کو عمدہ غذاؤں سے ضرر ہوتا ہو (۴) باقی بلاوجہ رخصت شرعیہ ونعم الہیہ (۵) سے باوجود ضرورت کے بھی کام نہ لینا خدا تعالیٰ کو ناپسند ہے حدیث میں ہے ((اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ اَنْ یُّؤْتٰی رُخَصَہٗ کَمَا یُحِبُّ اَنْ یُّؤْتٰی عَزَائِمَہٗ))(۶) دیکھئے اگر کبھی ہم اپنے بچے کے لئے آم لاویں یا کوئی مٹھائی لاویں اور وہ نہ کھاوے تو کیا ہم کو ناگوار نہ ہوگا ضرور ناگوار ہوگا کہ اس نے ہماری محبت کی قدر نہ کی اسی طرح اگر حق تعالیٰ اپنے بندہ کو آم اور مٹھائی کھلانا چاہیں اور وہ نخرے کرے کہ نہیں میں تو روٹی ہی کھاؤں گا تو یہ بھی بے ادبی ہے جب وہ حلال طریقہ سے عمدہ نعمتیں بھیجیں تو ان کو عطائے حق سمجھ کر استعمال کرنا چاہیئے۔

---

(۱) قابل برداشت تکلیف (۲) تکلیف (۳) برداشت (۴) نقصان (۵) شرعی رخصتوں اور اللہ کی نعمتوں سے ضرورت کے باوجود کام نہ لینا (۶) اللہ تعالیٰ اپنی عطا کردہ رخصتوں پر عمل کرنے کو ایسا ہی پسند فرماتے ہیں جیسے عزیمتوں پر عمل کرنے کو پسند فرماتے ہیں۔

حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کی فرمانبرداری

بہرحال حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کو اپنے سامنے سے غائب ہونے کو فرمایا اور ان اللہ کے بندے نے اس کو خوشی سے منظور کیا اور عمر بھر کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا منہ چھپالیا کبھی سامنے نہ آئے، اللہ اللہ ان کے دل پر کیسے سانپ لوٹتے ہوں گے حضرت اویس رضی اللہ عنہ نے تو ایک دفعہ بھی آپ کو نہ دیکھا تھا ان کا صبر پھر سہل تھا مگر حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کے بعد پھر سامنے نہ آسکنا بہت سخت ہے کسی نے اپنے معشوق کو دیکھا ہی نہ ہو اس کا فراق اتنا شدید نہیں (۱) جتنا اس کا فراق اشد ہے جس نے ایک نظر دیکھ لیا پھر عمر بھر ترستا رہا تو دیکھئے باوجود یکہ حضرت اویس رضی اللہ عنہ اور حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کو تو زیارت سے روک دیا گیا مگر کیا اُن کے فضائل میں کچھ خلل رہ گیا(۲)۔ جب زیارت فی الحیات میں بھی یہ بات ہے کہ عدمِ زیارت موجب نقص نہیں تو خواب کی زیارت پر کمال کا مدار کیونکر ہوسکتا ہے(۳) اور اس کا نہ ہونا موجب نقص کیسے ہوگا، اس لئے اس کو مقصود نہ سمجھنا چاہیئے۔

اعمال مقصود ہیں، احوال نہیں

بلکہ مقصود وہ اعمال ہیں جن کا بندہ کو مکلّف کیا گیا ہے جو اس کے اختیار میں ہیں پس اگر ایک شخص اعمال میں پختہ ہو گو خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اسے کبھی نہ ہوئی ہو وہ اس شخص سے اکمل ہے جس کو زیارت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں بہت ہوتی ہے مگر اعمال اختیاریہ میں کوتاہی کرتا ہے، خوب سمجھ لو۔

یہ تو بیچ میں ایک غلطی کا رفع تھا لیکن اس میں کیا شک ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) اس کو جدائی کا صدمہ اتنا زیادہ نہیں (۲) کچھ کمی رہ گئی (۳) جب زندگی میں زیارت نہ ہونا نقص کا باعث نہیں تو خواب میں زیارت پر کمال کا مدار کب ہوگا۔

لذیذ چیز ہے جس کی حسرت ہر مسلمان کے دل میں ہے تو اگر بعض علماء کے قول پر یہ امید رکھی جائے کہ ہم کو قبر میں حضور ﷺ کی زیارت ہوگی تو کیا عجب ہے کہ یہ امید پوری ہوجائے اور ((اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ)) کے وعدہ پر نظر کر کے تو بہت ہی قریب امید ہے کہ ان شاء اللہ اس گمان والے کو ضرور زیارت ہوگی۔

قبر میں حضور ﷺ کی زیارت کا راز

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کا راز فرماتے تھے کہ حق تو یہ تھا کہ ہم حضور ﷺ کے سامنے جان دیتے اور حضور ﷺ ہمارے جنازے کی نماز پڑھتے مگر یہ تو مقدر نہ تھا جس میں ایک حکمت یہ تھی کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں ((اَنَا فَرَطٌ لَکُم)) کہ میں تمہارے لئے پیش خیمہ بن کر جارہا ہوں پہلے جا کر تمہارے لئے راحت کا سامان کروں گا، اے صاحبو! تم بے فکر رہو اور خوش رہو کہ حضور ﷺ تمہارے لئے سامان کررہے ہیں۔ تو حق تعالیٰ نے اس کے بجائے یہ کردیا کہ بعد مرنے کے قبر میں آپ کی زیارت ہوجائے گی اس کے بعد یہ شعر پڑھتے تھے ؎

کششے کہ عشق دارد نگذاردت بدیںساں　　بجنازہ گر نیائی بمزار خواہی آمد (۱)

اور جب قبر میں مومن کو حضور ﷺ کی زیارت ہوگی تو پھر وہاں ظلمت کا کیا کام وہ قبر تو ان شاء اللہ حضور ﷺ کے انوار سے منور ہوجائے گی، یہ مضمون اکبر بادشاہ کی حکایت پر چلا تھا کہ ان کو ایک رات قندیلوں کے گُل ہونے سے سخت وحشت ہوئی اور قبر کی ظلمت یاد آکر بہت فکر مند ہوئے جس پر بیربل نے ایک لطیفہ سے تسلی کی، میں نے کہا تھا کہ یہ بات محض لطیفہ ہی نہیں بلکہ اقوالِ علماء سے مؤید ہے گو قائل کو اس کی خبر بھی نہ ہو۔

(۱) میرے عشق کی کشش نے تجھے مجبور کردیا ہے کہ اگر تو میرے جنازہ پر تو نہ آیا تو مزار پر تو ضرور آئے گا۔

مسلمان کو گناہ سے وحشت ہونے کی وجہ

بہرحال جن لوگوں کو نور سے زیادہ تلبس ہوتا ہے ان کو ظلمت سے زیادہ وحشت ہوتی ہے پس چونکہ ہر مومن میں نور ایمان ضرور ہے اس لئے گناہوں کی ظلمت سے ہر مسلمان کو وحشت ضرور ہوتی ہے مومن بے نور نہیں ہوتا گو ضعیف النور ہوسکتا ہے اور اس ضعیف نور ہی کی وجہ سے بعض کو ظلمت معصیت سے وحشت کم ہوتی ہے اگر ان کا نور کامل ہوتا تو گناہوں سے بہت زیادہ وحشت ہوتی اس لئے مسلمان کو گناہ کر کے عذاب آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی عذاب ہوتا ہے کہ اس کا نور باطن مبدل بہ ظلمت اور انشراح قلب مبدل بہ وحشت ہوجاتا ہے (۱) پس مسلمان تو خواہ مخواہ ہی گناہ کرتا ہے پس گناہ کا علاج کرنا ہر اعتبار سے ضرر ہوا۔

مجاہدے کی ضرورت

اور علاج ہوتا ہے بالضد اور گناہ کا منشا شہوت ہے اور اس کی ضد مجاہدہ پس گناہ کا علاج مجاہدہ ہوا جس کا حاصل نفس کو شہوات سے روکنا ہے اور شہوات مختلف ہیں اس لئے ان کا علاج یعنی مجاہدات بھی مختلف ہیں چونکہ آج کل اس سے بہت غفلت ہے جس آیت کو میں نے اختیار کیا ہے اس میں بھی ایک خاص قسم کی شہوت کا علاج یعنی ایک خاص قسم کا مجاہدہ مذکور ہے جس کو عام طور سے مجاہدہ ہی نہیں سمجھا جاتا اسی لئے اس کو اختیار نہیں کیا جاتا کیونکہ ہم لوگوں میں بھی ایک مرض ہے کہ عبادات و مجاہدات میں بھی انہی کو اختیار کرتے ہیں جیسے شہرت حاصل ہو چنانچہ نماز روزہ اور ذکر و شغل بہت لوگ کرتے ہیں مگر جن عبادات سے شہرت نہ ہو جیسے نگاہ کا

(۱) کہ اس کا نورِ ایمانی گناہوں کی وجہ سے اندھیروں سے بدل جاتا ہے اور دل کا سکون بے قراری سے بدل جاتا ہے۔

روکنا دل کو شہوات سے بچانا ایسے کام بہت کم لوگ کرتے ہیں کیونکہ ان سے شہرت نہیں ہوتی۔ اسی طرح ایک خاص عبادت اور مجاہدہ ہے جس کو ہم نے بالکل چھوڑ دیا ہے جو کہ ایک شہوت کا علاج ہے اور وہ طاعت انفاق ہے(۱)۔ بہت لوگوں کے کچھ معمولات نماز روزہ اور ذکر و تلاوت وغیرہ میں مقرر ہیں مگر طاعت انفاق کا کوئی معمول کسی نے مقرر نہیں کیا۔ اسی طرح اس انفاق کی ایک خاص فرد کو کہ امر بالمعروف ہے جس کا ایک خاص معنی کر انفاق کی فرد ہونا عنقریب مذکور ہوتا ہے لوگوں نے بالکل چھوڑ دیا ہے اس کے متعلق بھی کسی نے کچھ معمول مقرر نہیں کیا۔

سب انبیاء علیہم السلام کا دین متحد ہے

بلکہ لوگوں نے اس کے متعلق تو یہ سبق یاد کرلیا ہے کہ ''عیسی بدیں خود وموسٰی بدیں خود''(۲)

حالانکہ یہ مثل خود ہی غلط ہے کیونکہ اس سے حضرت موسی وحضرت عیسی علیہما السلام کے دین کا الگ ہونا اور ان دونوں صاحبوں کا باہم متفرق فی الدین ہونا لازم آتا ہے (۳) حالانکہ آیت قرآنیہ سے دونوں کے دین کا ایک ہونا اور دونوں میں باہم افتراق ہونا منصوص ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَاوَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ﴾(۴) اس سے معلوم ہوا کہ سب انبیا علیہم السلام کو ایک ہی دین

---

(۱) وہ نیکی خرچ کرنا ہے (۲) عیسی اپنے دین پر اور موسی اپنے دین پر (۳) دونوں کا دین الگ الگ ہونا لازم آتا ہے (۴) ''اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے واسطے وہی دین مقرر کیا جس کا اس نے نوح (علیہ السلام) کو حکم دیا تھا اور جس کو ہم نے آپ کے پاس وحی کے ذریعے بھیجا ہے اور جس کا ہم ابراہیم اور موسی وعیسی (علیہم السلام) کو حکم دیا تھا کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا'' سورۂ شوریٰ: ۱۳۔

کے قائم کرنے کا حکم تھا اور اس میں تفرقہ سے ممانعت تھی مگر اس مثل میں دونوں کے درمیان افتراق بیان کیا گیا ہے اس کا منشا قصور نظر ہے (۱) بھینگے کو ایک چیز دو ہی نظر آیا کرتی ہیں، چنانچہ مولانا ایک یہودی بادشاہ کی بابت جو عیسائیوں کا دشمن تھا فرماتے ہیں ؎

شاہِ احول کرد در راہِ خدا آں دو دمساز خدائی را جدا

یعنی وہ بادشاہ احول تھا(۲) اس لئے اس نے دو دمسازوں (۳) کو جدا کر دیا اور عیسیٰ علیہ السلام کے دین کو موسیٰ علیہ السلام کے دین سے الگ سمجھنے لگا۔

حکایت

اس کے بعد مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ایک احول کی حکایت لکھی ہے کہ ایک استاد نے اپنے شاگرد سے جو بھینگا تھا کہا کہ فلاں طاق میں ایک بوتل رکھی ہوئی ہے اس کو لے آؤ، وہ جو پہنچا تو اس کو دو بوتلیں نظر آئیں، کہنے لگا یہاں تو دو بوتلیں ہیں کونسی لاؤں؟ استاد نے کہا ارے احمق! ایک ہی ہے تجھ کو بھینگے پن سے دو نظر آتی ہیں، اس نے کہا نہیں بلکہ واقع ہی میں دو ہیں، استاد نے کہا اچھا ایک کو توڑ دے اور دوسری کو لے آ، اس نے ایک جو جو توڑی تو دوسری بھی غائب، اب معلوم ہوا کہ واقعی میری ہی نظر کا قصور تھا، اسی طرح جو شخص انبیاء علیہم السلام میں تفریق کر کے ایک سے عداوت کرتا ہے وہ دونوں سے منقطع (۴) ہو جاتا ہے غرض یہ مثل ''عیسیٰ بدیں خود و موسیٰ بدیں خود'' باطل ہے کسی شاعر نے گھڑی ہے شعراء ایسے ہی بے ڈھنگی باتیں بنایا

(۱) اس کا سبب کوتاہِ نظری ہے (۲) وہ بادشاہ بھینگا (جس کو دو نظر آتے ہیں) تھا (۳) اس نے حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ علیہما السلام جو دونوں ایک خدا کا دم بھرتے تھے ان کو جدا کر دیا (۴) جو انبیاء علیہم السلام میں فرق کر کے ایک سے دشمنی کرتا ہے اس کا ناطہ دونوں سے ٹوٹ جاتا ہے۔

کرتے ہیں، پس اس مثل پر عمل کرنا سخت غلطی ہے مگر آج کل عام طور پر یہی مذاق غالب ہے اسی لئے صوفیوں سے لوگ خوش ہیں کیونکہ ان کے یہاں روک ٹوک بالکل نہیں ہوتی بس کسی کو باوا(۱) بنالیا کسی کو بیٹا بنالیا اور علماء سے لوگ ناخوش ہیں کیونکہ وہ (یَجُوْزُ وَلَا یَجُوْزُ) ''جائز اور ناجائز'' کا فتویٰ دیتے رہتے ہیں مگر جو صوفیاء محقق ہیں ان سے تو لوگ علماء سے بھی زیادہ ناخوش ہیں کیونکہ وہ اعمالِ ظاہرہ کے علاوہ اعمالِ باطنہ پر بھی گرفت کرتے ہیں۔

صوفیاء کے استدلال کا جواب

بعضے صوفی اپنے مسلک پر اس آیت سے استدلال کرتے ہیں: ﴿لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ ۖ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُسْتَقِيمٍ﴾ (۲)

الٰہ آباد میں ایک شاہ صاحب تھے انہوں نے مجھ سے اس آیت کا مطلب پوچھا میں سمجھ گیا کہ ان کا مقصود کیا ہے اور وہ مقصود علماء پر اعتراض کرنا تھا کہ حق تعالیٰ تو یہ فرماتے ہیں کہ ہم نے ہر اک کے لئے ایک رستہ بنادیا ہے جس پر وہ چل رہے ہیں تو کسی سے نزاع نہ کرو(۳) اور یہ مولوی خواہ مخواہ کسی کسی پر اعتراض کرتے رہتے ہیں۔

میں نے کہا شاہ صاحب اس میں حق تعالیٰ نے حضور ﷺ کو نزاع سے منع نہیں فرمایا کہ آپ نزاع نہ کریں بلکہ کفار کو روکا ہے کہ وہ آپ سے نزاع نہ کریں کیونکہ آپ حق پر ہیں اور وہ باطل پر ہیں چنانچہ اس آیت کے آخیر میں اس کی تصریح ہے(۴) ﴿وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ ۖ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُسْتَقِيمٍ﴾

(۱) کسی کو باپ بنایا (۲) ''ہم نے ہر امت کے واسطے ذبح کرنے کا طریقہ مقرر کیا ہے کہ وہ اسی طریق پر ذبح کیا کرتے تھے سو ان لوگوں کو چاہیئے کہ اس امر میں آپ سے جھگڑا نہ کریں اور آپ اپنے رب کی طرف بلاتے رہیئے آپ یقیناً صحیح رستہ پر ہیں'' سورۂ حج: ۶۷ (۳) جھگڑا نہ کرو (۴) وضاحت۔

اسی لئے ((تُنَازِعُهُمْ فِی الْاَمْرِ))نہیں فرمایا بلکہ ﴿یُنَازِعُنَّكَ فِی الْاَمْرِ﴾(۱) فرمایا ہے اس کا تو حاصل یہ ہوا کہ اہلِ باطل کو اہلِ حق سے نزاع کا حق نہیں یہ کہاں معلوم ہوا کہ اہل حق کو بھی اہلِ باطل سے نزاع کا حق نہیں، اس جواب سے شاہ صاحب لاجواب ہوگئے مگر ناراض نہیں ہوئے۔

تفسیرِ آیت

اور چونکہ یہ بات اس آیت کے متعلق میرے ذہن میں اسی وقت آئی تھی اس سے پہلے ذہن میں نہ تھی اس لئے مجھے فکر ہوئی کہ تفاسیر میں بھی دیکھنا چاہیئے کانپور واپس آکر میں نے جلالین دیکھی تو اس میں یہ تفسیر نہ تھی بلکہ مجاز پر محمول کرکے ﴿یُنَازِعُنَّكَ فِی الْاَمْرِ﴾ کے معنی ((لَا تُنَازِعُهُمْ فِی الْاَمْرِ))(۲) بیان کئے ہیں اگر کہیں شاہ صاحب کو جلالین یاد ہوتی تو وہ جیت جاتے مگر اس وقت میں یہ کہتا کہ یہ صاحب جلالین کی رائے ہے حقیقی معنی کو چھوڑ کر مجاز مراد لینا خلاف اصل ہے(۳) لہذا قرآن سے تو استدلال نہیں ہوسکتا بہت سے بہت صاحبِ جلالین کے قول سے استدلال ہوگا اور وہ ہم پر حجت نہیں کیونکہ ہم ان کے مقابلہ میں دوسرے بزرگوں کے اقوال پیش کردیں گے جیسے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اور اگر صاحبِ جلالین کی تفسیر کو مان بھی لیا جائے پھر بھی جواب ہوسکتا ہے کہ یہاں تو حق تعالیٰ نے نزاع سے منع فرمایا ہے اور امر بالمعروف نزاع (۴)نہیں تو امر بالمعروف سے کہاں ممانعت ہوئی بلکہ دوسری آیتوں میں تو اس کا صریح حکم ہے: ﴿وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾(۵)

---

(۱)اس لئے یوں نہیں کہا کہ ’’آپ ان سے جھگڑا نہ کریں‘‘ بلکہ یوں کہا کہ ’’وہ آپ سے نہ جھگڑیں‘‘ (۲)ان سے معاملات میں الجھتے نہیں (۳) قواعد کے خلاف ہے (۴) اچھائی کا حکم دینا جھگڑا نہیں ہے(۵) ’’اور اچھے کاموں کی نصیحت کیا کر اور بُرے کاموں سے منع کیا کر‘‘ سورۂ لقمٰن: ۱۷۔

امر بالمعروف کا طریقہ

لیکن یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اس فریضہ کے کچھ حدود و شروط ہیں ہر شخص کو اس کی اجازت نہیں کیونکہ اگر ہر شخص کو امر بالمعروف کی اجازت دی جائے تو واقعی ہر روز فوجداری (۱) ہوا کرے گی، آپ چلے جارہے ہیں راستہ میں کوئی ہندو ملا آپ نے اس سے کہا کہ مسلمان ہوجا، وہ کہے گا ہندو ہوجا، بس اسی پر لڑائی شروع ہوجائے گی۔ یا کسی کو بُری طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اس سے کہا کہ نماز لوٹا صحیح نہیں ہوئی، وہ کہے گا تیرے باپ کا کچھ اجارہ ہے نہیں لوٹاتے۔ آپ کہیں گے ہاں ہمارا اجارہ ہے بس یہیں سے فوجداری شروع ہوگئی۔

اب یہاں سوال ہوسکتا ہے کہ صاحب اگر امر بالمعروف کریں تو دنیا میں فوجداری اور اگر امر بالمعروف نہ کریں تو آخرت میں فوجداری، تو اس مسئلہ میں یہ بڑا اشکال ہوا۔

اس کا جواب الحمدللہ مجھے القا ہوا وہ یہ کہ حق تعالیٰ نے جو امر بالمعروف کا امر فرمایا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ حکم کو سنتے ہی امر بالمعروف شروع کردو بلکہ یہ حکم ایسا ہی ہے جیسے ((اقیمو الصلوٰۃ)) وغیرہ کہ اس کو سنکر فوراً نماز شروع نہیں کی جاتی خواہ نماز پڑھنا آتی ہی نہ ہو بلکہ اول سیکھنے کی فکر ہوتی ہے پھر نماز پڑھتے ہیں اسی طرح یہاں بھی اول طریقہ سیکھو پھر امر بالمعروف کرو بدون سیکھے امر بالمعروف کرنے کی اجازت نہیں البتہ سیکھنا فرض ہے جیسا کہ نماز کا سیکھنا فرض ہے، اب بعضے لوگ خط سے طریقہ دریافت کرنا چاہتے ہیں یہ نہایت حماقت ہے (۲) بھلا کہیں خط سے بھی کسی کام کا طریقہ معلوم ہوسکتا ہے ہم تو جب جانیں کہ کتاب دیکھ کر بدون کسی نمازی کو دیکھے ہوئے کوئی نماز تو پڑھ لے، ہرگز نہیں پڑھ سکتا ضرور غلطی کرے گا۔

(۱) ہر روز مقدمات قائم ہوا کریں (۲) انتہائی بے وقوفی ہے۔

صرف کتاب پڑھ کر بغیر سیکھے عمل مشکل ہے

مولانا رحمت اللہ صاحب نے ایک عالم کی حکایت بیان کی جنہوں نے مناسک (یعنی احکام حج) میں بھی ایک کتاب لکھی تھی اس کے بعد حج کے لئے مکہ معظمہ حاضر ہوئے لوگوں نے پوچھا کہ آپ کسی کو مطوف (۱) بنائیں گے یا نہیں؟ کہا ہم کو مطوف کی کیا ضرورت ہے ہم احکام حج کو ان سے زیادہ جانتے ہیں۔ (کیونکہ اس باب میں کتاب تصنیف کر چکے تھے ۱۲ظ) مگر پھر جو تنہا افعال حج شروع کئے تو ان میں متواتر دو غلطیاں کیں جس پر ایک مطوف لڑکے نے متنبہ کیا (۲) آخر کار اس بچہ ہی کو مطوف بنایا جب کام چلا اس لئے میں کہتا ہوں کہ خط سے ترکیب افعال کی نہیں معلوم ہوسکتی۔

امر بالمعروف کا طریقہ سیکھنے کی ضرورت

ایک صاحب نے خط کے ذریعہ مجھ سے یہ بات دریافت کی کہ امر بالمعروف کی کس کو اجازت ہے اور کس کو نہیں، میں نے لکھا کہ اس کے جواب میں تو رسالہ لکھنے کی ضرورت ہے اور مجھے اس کی فرصت نہیں ''احیاء العلوم'' اور ''نصاب الاحتساب'' وغیرہ کا مطالعہ کرلو۔ یہ تو الزامی جواب تھا اور حقیقی جواب یہ ہے کہ کسی محقق کے پاس رہ کر طریقہ سیکھو پھر جس کو وہ اجازت دیدے اس کو امر بالمعروف کرنے کی اجازت ہے اور جس کو وہ اجازت نہ دے اس کو اجازت نہیں کیونکہ پورا طریقہ سیکھنے ہی سے آتا ہے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں آخر کیا بات تھی جس کے سبب اُن کے مرتکب کبائر بھی غوثِ اعظم سے افضل ہیں۔ یہی تو بات تھی کہ انہوں نے

(۱) طواف کرانے والا (۲) ایک طواف کرنے والے لڑکے نے توجہ دلائی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہ کر دین سیکھا تھا اور تم کتابوں سے سیکھتے ہو، حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم نے درسیات کس دن پڑھی تھیں، دوسرے کتاب میں آدمی تمام باتیں کہاں تک لکھ سکتا ہے اس پر عمل کرنے کے لئے بھی گھر کی عقل ہونی چاہیئے (۱)۔

بلا صحبت و سیکھے صرف لکھے پر عمل کرنے کی تمثیل

ورنہ وہی قصہ ہوگا جیسے ایک شخص نے اپنے ملازم کو ایک پرچہ لکھ کر دیا تھا جس میں کاموں کی تفصیل تھی کہ تیرے ذمہ اتنے کام ہیں۔ ایک دفعہ آقا اور ملازم کہیں سفر میں چلے آقا گھوڑے پر سوار تھا ملازم پیچھے پیچھے تھا ایک جگہ منزل پر پہنچے تو آقا کی چادر غائب تھی، اس نے ملازم سے پوچھا کہ چادر کہاں گئی؟ آپ بہت صفائی سے کہتے ہیں کہ وہ تو راستہ میں گر پڑی تھی، کہا تو نے گرتے ہوئے دیکھا؟ کہا جی ہاں، پوچھا کہ پھر تو نے اٹھایا کیوں نہیں؟ اس نے کاغذ سامنے کر دیا کہ یہ کام اس میں لکھا ہوا نہیں ہے وہ بہت جھلایا اور کاغذ میں اتنا اور بڑھا دیا کہ راستہ چلتے ہوئے اگر کوئی چیز گر جاوے تو اس کو اٹھالیا کرو۔ اس کے بعد پھر چلے تو جب اگلی منزل پر پہنچے تو ملازم صاحب نے ایک بڑا پوٹلہ لاکر سامنے رکھ دیا پوچھا یہ کیا ہے؟ کہا گھوڑے کی لید ہے، کہا یہ کیوں جمع کی گئی نوکر نے کہا کہ آپ نے ہی تو لکھا تھا کہ جو چیز راستہ میں چلتے ہوئے گرے اس کو اٹھالیا کرو یہ لید گرتی جارہی تھی میں نے اس کو جمع کرلیا۔ آقا نے کہا بھائی میں تم کو سلام کرتا ہوں تم میرا پیچھا چھوڑو سو واقعی جسے گھر کی عقل نہ ہو اسے کچھ لکھ کر دینا محض فضول ہے وہ نہ معلوم کیا کیا گڑبڑ کرے گا۔

---

(۱) کتاب سمجھنے کے لئے بھی عقل کی ضرورت ہے۔

صحبت محقق کی ضرورت

اس لئے میں کہتا ہوں کہ ہر کام کے لئے صحبت محقق کی ضرورت ہے کیونکہ پاس رہنے سے کچھ عرصہ میں عقل بھی درست ہوجاتی ہے اور اگر پھر بھی درست نہ ہوگی تو ایسے کو اجازت ہی نہ دے گا۔

امر بالمعروف کی ہر ایک کو اجازت نہیں

اب جو لوگ کتابیں ہی دیکھ کر امر بالمعروف کرتے ہیں ان کی حالت یہ ہے کہ ہر جگہ سختی سے کام لیتے ہیں جس سے بجائے اصلاح کے فساد ہوتا ہے یاد رکھو ہر شخص کو ہر جگہ سختی جائز نہیں بلکہ جہاں اپنی حکومت ہو وہی سختی کا موقع ہے اور جہاں حکومت نہ ہو وہاں نرمی ہی مناسب ہے، امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس راز کو خوب سمجھا ہے فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی کا طنبور یا مزامیر (یعنی گانے بجانے کے آلات) توڑ دے تو اس پر ضمان لازم آئے گا(۱) اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ضمان نہ آئے گا کیونکہ اس نے ازالہ منکر کیا ہے (۲) اور حدیث میں ازالہ منکر کا ہاتھ سے بھی حکم ہے (۳) امام صاحب اس کا جواب دیتے ہیں کہ ہاتھ سے ازالہ منکر کرنے کا اختیار حکام کو ہے عوام کو اس کا اختیار نہیں۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی حکمت

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا راز یہ ہے کہ عوام کی دست اندازی سے فساد ہوگا اور شریعت کا مقصود امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے اصلاح ہے نہ کہ فساد، لہذا ہاتھ

(۱) اس کے ذمہ نقصان پورا کرنا ہے (۲) امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے ذمہ نقصان پورا کرنا نہیں ہے کیونکہ جس کام کا کرنا منع تھا اس نے اسی سے بچایا ہے (۳) اور حدیث میں بُرائی کو ہاتھ سے مٹانے کا حکم ہے۔

سے امر بالمعروف کرنے کا حکم عام نہیں بلکہ اہلِ حکومت کے ساتھ خاص ہے لیکن حکومت کے درجے ہیں باپ کو بیٹے پر اور شوہر کو بیوی پر استاد کو شاگرد پر فی الجملہ حکومت ہوتی ہے لہذا ان کو اپنے ماتحتوں کے ساتھ ہاتھ سے بھی امر بالمعروف کا حکم ہے لیکن غیروں کے ساتھ ایسا نہ کرنا چاہیئے وہاں صرف زبان سے کام لیں اور وہ بھی نرمی سے نیز امر بالمعروف بزرگوں کو بھی کیا جاتا ہے مگر وہاں نرمی کے ساتھ ادب کی بھی ضرورت ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا ادب

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ ایک بار حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہٗ نے ایک مضمون لکھ کر نقل کے واسطے مولانا کو دیا اس میں ایک جگہ املاء کی غلطی تھی اور وہ غلطی اتفاقاً ہوگئی تھی مگر مولانا کا ادب دیکھئے کہ اس میں خود اصلاح نہیں کی بلکہ اس لفظ کی جگہ چھوڑ دی بعد میں حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے آ کر عرض کیا کہ اس مضمون میں ایک لفظ سمجھ میں نہیں آیا اس کو دوبارہ بتلایا جاوے۔ حاجی صاحب نے جو اس کو دیکھا تو قلم سے کر فوراً کاٹ دیا اور صحیح طور پر لکھ دیا اور فرمایا کہ یہاں مجھ سے املاء میں غلطی ہوگئی، اس کے بعد حاجی صاحب بار بار اس واقعہ کو بیان فرماتے تھے اور مولانا کی بہت تعریف فرماتے تھے کہ سبحان اللہ مولانا میں ادب کا بہت ہی بڑا حصہ ہے کہ باوجود بڑے عالم ہونے کے خود غلطی کو درست نہیں کیا بلکہ اول دکھلایا جب میں نے ہی درست کر دیا بعد میں صحیح نقل کیا۔ دیکھئے مولانا نے اس موقع پر نہ تو غلو فی الاعتقاد (۱) سے کام لیا کہ پیر کی غلطی کو غلطی بھی نہ سمجھتے اور نہ بے ادبی کی کہ خود اصلاح دے کر پیر سے کہہ دیتے کہ یہاں آپ نے غلطی کی تھی میں

(۱) نہ تو اعتقاد شیخ میں حد سے تجاوز کیا۔

نے اس کو صحیح کر دیا ہے بلکہ لطیف طریقہ سے شیخ کو مطلع کر دیا جب انہوں نے خود غلطی کی اصلاح کر دی اس کے بعد صحیح لفظ لکھا اسی کو کہتے ہیں ؎

بر کفے جامِ شریعت بر کفے سندانِ عشق ہر ہوسنا کے نداند جام وسندان باختن (۱)

جاہل تو اس موقع پر پریشان ہو کر یوں کہہ اٹھے گا ؎

درمیان قعرِ دریا تختہ بندم کردۂ باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش (۲)

کہ ادہر تو پیر کے ادب کا حکم ہے اور ادہر امر بالمعروف کا حکم ہے دونوں کو کیونکر جمع کریں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ صاحب نے دونوں کو جمع کر کے دکھلا دیا۔

طاعات میں ہمارا انتخاب

غرض ہم لوگوں نے طاعات میں بھی انتخاب کر کے انہی کو اختیار کیا ہے جن میں مشقت اور مجاہدہ تو کچھ نہ ہو اور شہرت زیادہ ہو اور جن طاعات میں شہرت نہیں ان کو بالکل اختیار نہیں کرتے یا ان میں بھی آسان کام کو لیتے ہیں جن سے نفس پر گرانی اور مشقت نہ ہو اور اس کی لذت وشہوت فوت نہ ہو (۳) چنانچہ انفاق میں یہی عمل کیا ہے جس کا اس آیت میں امر ہے خواہ انفاق مالی ہو یا انفاق علمی (۴) جس کی ایک فرد امر بالمعروف بھی ہے اس کو بھی ہم نے اس واسطے چھوڑ رکھا ہے کہ اس میں نفس پر مجاہدہ ہے حالانکہ میں کہہ چکا ہوں کہ ہمارے امراض کی جڑ شہوت ہے اور وہ بدون مجاہدہ کے اصلاح پذیر نہیں ہو سکتی۔

(۱) ایک ہاتھ میں شریعت کے احکام دوسرے میں عشق کے آداب کی رعایت ہر شخص دونوں جانبوں کی رعایت نہیں کر سکتا (۲) تختہ پر ہاتھ پیر باندھ کر مجھ کو دریا میں پھینک دیا پھر مجھ سے کہتے ہیں دھیان کرنا کپڑے نہ بھیگ جائیں (۳) اس کی خواہش ومزہ ختم نہ ہو (۴) مال سے کسی کو نفع پہنچانا ہو یا علم سے۔

انفاقِ مالی کا اہتمام اور اس کا معتبر وغیر معتبر درجہ

اس لئے ہم کو انفاق کا بھی اہتمام کرنا چاہیئے جس میں ایک تو انفاق مالی ہے اس سے شہوت مال اور حبِ دنیا کا ازالہ (۱) ہوتا ہے مگر اس انفاق کے بھی درجے ہیں ایک درجہ تو یہ ہے کہ لاکھ روپے والا پانچ روپے دے دے ایسے انفاق کو تو سلام ہے، اس کی تو وہی مثال ہے جیسے ایک عاشق اپنے محبوب کے پیچھے کوٹھے پر سے کود پڑا تھا، گرنے کے بعد اٹھا نہ گیا زخمی ہوکر بے ہوش پڑا رہا لوگ جمع ہوگئے شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ بھی وہاں سے گذرے پوچھا یہ کیوں پڑا ہے لوگوں نے کہا کہ یہ اپنے محبوب کو جاتا ہوا دیکھ کر کوٹھے سے کود پڑا تھا، وہاں نزدیک ہی ایک زینہ بھی تھا شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کو ظرافت سوجھی اور زینہ کی ایک سیڑھی چڑھ کر دھم سے کود پڑے اور فرمایا کہ ہم بھی عاشق ہیں مگر ''عشق سعدی تا بزانو'' ہمارا عشق تو اتنا ہی ہے کہ ایک سیڑھی سے کود جائیں، تو جیسے شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے کودنے کا نام کیا تھا اسی طرح یہ حضرت بھی لاکھ روپے میں سے پانچ روپیہ دے کر انفاق کا نام کرتے ہیں سو یہ انفاق معتبر نہیں کیونکہ اس میں مجاہدہ کچھ نہیں۔

بلکہ معیار اس کا یہ ہے کہ اتنا خرچ کرے جس سے دل دکھے کیونکہ بدون اس کے بخل زائل (۲) نہیں ہوتا اگر کوئی کہے کہ میرا دل تو ایسا ذہین ہے کہ لاکھ میں سے پانچ روپے دینے سے بھی دکھتا ہے تو اس سے کہا جائیگا کہ خود یہ دکھنا ہی معتبر نہیں تمہاری رائے غلط ہے تم ایک کمیٹی مقرر کرو اور احباب سے مشورہ کرو کہ مجھے

(۱) مال اور دنیا کی محبت زائل ہوتی ہے (۲) کیونکہ اس کے بغیر طبیعت میں سے بخل کی عادت ختم نہیں ہوتی۔

کتنا خرچ کرنا چاہیئے۔ غرض انفاق معتبر وہی ہے جس سے دل پر معتد بہ اثر اور کچھ دکھن محسوس ہو پھر رفتہ رفتہ خرچ کی عادت ہو جائیگی جیسے انخیا[1] کو عادت ہو جاتی ہے اور بخل جاتا رہے گا پھر کوئی وقت ایسا بھی آتا ہے کہ سخی کو بھی ہاتھ روکنا پڑتا ہے کیونکہ بعض مواقع پر شریعت و عقل اس کو حکم دیتے ہیں کہ اب ہاتھ روک لو، خیر یہ تو بعد کا درجہ ہے ابھی تو ہم کو انفاق کی عادت ڈالنی چاہیئے۔

اعمال کی ادائیگی میں لوگوں کا طرزِ عمل

مگر افسوس ہے کہ ہم نے طاعات میں سے بھی انتخاب کیا ہے جن میں کچھ خرچ نہ ہو جیسے ایک کھانے والے نے آیات میں سے انتخاب کیا تھا اس سے کسی نے پوچھا کہ تم کو قرآن میں کونسی آیت زیادہ پسند ہے کہا ہاں ایک آیت احکام میں سے اور ایک آیت دعاؤں میں سے ﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا﴾[2] تو حکم اور ﴿رَبَّنَا اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَآءِ﴾[3] اور جیسے گلستان میں حکایت ہے کہ ایک بخیل کا لڑکا بیمار ہوا تو لوگوں نے کہا قرآن کا ختم ہونا چاہیئے یا ایک بکرا ذبح کرنا چاہیئے؟ بخیل نے کہا ختم قرآن بہتر ہے بس ایک قرآن ختم کر دیا کسی حکیم نے یہ بات سنی تو کہا اس کو ختم اس لئے آسان تھا کہ قرآن تو زبان پر ہے اور مال جان سے پیوستہ ہے، یاد رکھو اس طرح سے اصلاح کامل نہیں ہو سکتی نہ شہوت و حرص زائل ہو سکتی ہے۔

زکوٰۃ کی ادائیگی میں لوگوں کی کوتاہی

صاحبو! ہم کو انفاق کا بھی معمول کچھ ضرور مقرر کرنا چاہیئے ایک معمول تو حق تعالیٰ کا بتلایا ہوا ہے یعنی چالیسواں حصہ اس سے کم تو کیا ہو مگر بعض لوگ اس

(۱) سخیوں کو (۳) کھاؤ اور پیو (۲) اے ہمارے پروردگار ہم پر آسمان سے دسترخوان اپنی نعمتوں کا نازل فرمایئے۔

میں بھی کوتاہی کرتے ہیں جب تک مال تھوڑا رہتا ہے اس وقت تک تو بہت لوگ زکوٰۃ دیتے ہیں اور جب بڑھ جاتا ہے تو پھر بہت کم زکوٰۃ دیتے ہیں لوگوں کو چالیس میں سے ایک دے دینا یا سو میں دہائی نکال دینا تو آسان ہے مگر چالیس لاکھ میں سے ایک لاکھ دینا مشکل ہوتا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ زکوٰۃ نکال کر بقیہ کو نہیں دیکھتے خود زکوٰۃ کی رقم کو دیکھتے ہیں اگر وہ قلیل ہوئی (۱) تو دینا آسان ہوتا ہے اور اگر وہ زیادہ ہوئی تو دینا مشکل ہوتا ہے حالانکہ جہاں یہ زیادہ ہے وہاں بقیہ کس قدر زیادہ ہے اس کو دیکھو تو نفس خوش ہوجاوے کہ نکال کر بھی اتنا بچ گیا پھر دینا مشکل نہ ہو اور بقیہ کو نہ دیکھنا نہایت بے انصافی ہے تو اس بے انصافی کی کیا وجہ باقی کو کیوں نہیں دیکھتے اگر اس کو دیکھو وہ تو اتنا ہے کہ اس کے ورق کی روٹیاں بنا کر کھایا کرو تب بھی عمر بھر کے لئے کافی ہوجاوے بعض اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں جو زیادہ مال میں سے بھی زکوٰۃ نکالتے ہیں مگر وہ موقع پر صرف نہیں کرتے کہیں اسکول میں دیدیتے ہیں کہیں کسی شاہ صاحب کو دے دیتے ہیں جہاں تملیک وغیرہ کی بھی رعایت نہیں ہوتی، اگر امراء اپنی زکوٰۃ موقع پر صرف کیا کریں تو مسلمانوں میں افلاس (۲) بہت کچھ کم ہوجاوے زکوٰۃ کا قانون شرعی یہ ہے کہ پہلے اپنے غریب عزیزوں کو دی جائے ان سے فاضل ہو تو اور غرباء کو دی جائے، اس لئے اس کی بہت ضرورت ہے کہ امراء زکوٰۃ کے معاملہ میں علماء سے مشورہ کرلیا کریں گو زکوٰۃ کا روپیہ ان کے ہاتھ میں نہ دیا جائے مگر مشورہ ضرور کرلیا جائے تاکہ زکوٰۃ موقع پر صرف ہو بعضے مدعیان علم وعمل ایسے بھی ہیں کہ انکو زکوٰۃ کا روپیہ دیا جائے گا تو وہ اپنے گھر ہی میں دھرلیں گے۔ چنانچہ ایک بدمذہب بادشاہ نے اپنے مقتداء کو زکوٰۃ کا روپیہ دیا تھا کہ اس کو مستحقین میں صرف کردیا جائے مقتداء صاحب نے گھر

(۱) کم ہوئی (۲) غربت۔

آ کر اپنی باندی کو ایک کوٹھری میں بند کر دیا تین دن بعد نکال کر سب روپیہ اسے دے دیا پھر اس سے لے کر بادشاہ کو لکھ دیا کہ واللہ ایسے آدمی کو وہ روپیہ دیا گیا جو تین دن کے فاقہ سے تھا (بیچارہ تھا سچا آدمی کہ جھوٹ سے بچنے کے لئے باندی کو فاقہ سے مار دیا مگر جھوٹ سے بچنے کا اتنا اہتمام اور دھوکا دہی اور تلبیس سے یہ بے پرواہی قابل دید ہے ۱۲ ظ)۔

صدقات کی ادائیگی میں بزرگوں کا معمول

بعض بزرگوں کا معمول ربع کا ہے بقول بعض علماء یہ پہلی امتوں کے لئے حکم تھا (۱) بعض کا معمول نصف مال خرچ کرنے کا ہے یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت ہے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سنت کل مال صرف کرنے کی ہے وہ ضرورت سے زیادہ کچھ نہیں رکھتے تھے ۔

ہر گلے رارنگ و بوئے دیگر ست (۲)

جو معمول بھی مقرر ہو جائے اچھا ہے

صدقاتِ مالیہ کے لئے معمول مقرر کرنے کی ضرورت نہیں

مگر اس کی ضرورت ہے کہ اپنے لئے خود کوئی معمول مقرر نہ کرو کیونکہ اپنے واسطے اپنا ہی مقرر کیا ہوا معمول مفید نہیں ہوتا اپنے مقرر کردہ معمول میں نفس اپنی خواہش کی رعایت ضرور رکھتا ہے تو اس سے پورا مجاہدہ نہ ہوگا بلکہ دوسرے کے مشورہ سے معمول مقرر کرنا چاہئے مگر وہ دوسرا شخص جس سے مشورہ لیا جائے ایسا ہو جو اپنے واسطے حصہ نہ لگائے ایسے شخص سے مشورہ کرنا چاہئے جو اپنے لئے کچھ نہ مانگے ورنہ بعضے ایسے بھی ہیں جو یوں کہیں گے کہ تم آدھا یا تہائی مال خرچ کر دو اور

(۱) سابقہ امتوں میں زکوٰۃ کی مقدار ایک چوتھائی مال تھا (۲) ہر پھول کا رنگ اور خوشبو جداگانہ ہے۔

ہمارے پاس لے آؤ ہم مستحقین کو دے دیں گے مگر وہ اپنے نزدیک خود ہی سب سے زیادہ مستحق ہونگے، جیسے ایک واعظ صاحب نے صدقہ کی ترغیب میں وعظ کہا اور اس کے بہت فضائل بیان کئے ان کی بیوی بھی وعظ میں تھی اس نے سارا زیور خیرات کردیا، اب واعظ صاحب گھر میں آئے بیوی کو زیور سے ننگا دیکھا پوچھا زیور! کیا ہوا؟ کہا میں نے خیرات کردیا کیونکہ تم نے وعظ میں صدقہ کے فضائل بہت بیان کئے تھے کہا میں نے اس لئے تھوڑا ہی وعظ کہا تھا تاکہ ہم دوسروں کو دیں بلکہ اس لئے کہا تھا کہ دوسرے ہم کو دیں، سو ایسے بزرگوں سے مشورہ نہ کیا جائے ورنہ وہ تو یہ کہیں گے کہ سارا مال لاکر ہم ہی کو دے دو بلکہ محقق بے غرض سے مشورہ کرو اور ساتھ میں اتنا اور کہہ دینے کی ضرورت ہے کہ ہمارے پاس حلال مال اتنا ہے اور حرام مال اتنا ہے تاکہ وہ دونوں کا الگ الگ حکم بتلادے۔

نفس کی چالاکیاں

(بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حرام مال میں زکوٰۃ نہیں یہ علی الاطلاق صحیح نہیں بلکہ یہ حکم اس مال حرام کا ہے جو یقیناً حرام ہو اور حلال سے مخلوط نہ ہوا ہو اگر مخلوط ہوگیا ہو تو پھر سارے کی زکوٰۃ واجب ہے اور وہ حرام مال اس کے ذمہ واجب ہوگیا اصل مالکوں کو پہنچانا اس کے ذمہ ہے ۱۲ ظ) یہ نفس بڑا استاد ہے اس کی مثال شتر مرغ جیسی ہے کہ اگر اس سے کہو بوجھ اٹھا، تو کہتا ہے میں تو پرندہ ہوں اور پرندے بوجھ میں نہیں لادے جاتے اور اگر کہو، اُڑ، تو کہتا ہے میں تو اونٹ ہوں اونٹ کب اڑتا ہے، اسی طرح بعضے سود خوار تاجر ہیں کہ اگر ان سے کہا جائے سود کیوں لیتے ہو تو کہتے ہیں ہندوستان دارالحرب ہے اور دارالحرب میں سود لینا جائز ہے اور اگر کہو زکوٰۃ دو تو کہتے ہیں حرام مال میں زکوٰۃ کہاں۔ تماشا ہے کہ لینے کے

وقت تو وہ حلال تھا دینے کے وقت حرام ہوگیا، غرض یہ نفس ہر جگہ اپنا الّو سیدھا رکھتا ہے مگر یاد رکھو ایک دن وہ بھی آنے والا ہے جس میں فرمایا جائے گا: ﴿اَوَ لَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَ جَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ۭ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ﴾(۱)

''اور کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی جس میں نصیحت حاصل کرنے والا نصیحت حاصل کرلے اور تمہارے پاس ڈرانے والا بھی تو آیا تھا'' یعنی رسول اللہ ﷺ اور آپ کے خلفاء اور بعض روایات میں آیا ہے ((وَجَاءَكُمُ النَّذِيْرُ اَيِ الشَّيْبُ سِتُّوْنَ سَنَةً)) کہ یہاں نذیر سے مراد بڑھاپا ہے یعنی ساٹھ سال کی عمر اس کو نذیر اس لئے کہا گیا کہ وہ موت سے ڈرانے والا ہے کیونکہ بڑھاپے کے بعد موت ہی تو ہے اس کے بعد زندگی کا کونسا درجہ ہے کوئی بھی نہیں۔

صاحبو! وہاں یہ چالاکیاں نہ چل سکیں گی اس لئے ضروری ہے کہ اس وقت سے پہلے ہی کچھ کرلیا جائے جس کا طریقہ میں نے بتلادیا ہے کہ علماء محققین سے مشورہ کرکے انفاق کا حصول مقرر کرنا چاہیئے۔

اصلاح کے لئے شیخ محقق کا انتخاب

اور بہتر یہ ہے کہ جہاں کا مریض ہو وہیں کا طبیب ہو کیونکہ بہ نسبت دوسروں کے اپنے شہر کے مریضوں کی حالت سے زیادہ واقف ہوگا، لوگوں کی یہ سخت نادانی ہے کہ ہر شخص اپنی اصلاح خود کرنا چاہتا ہے میں بقسم کہتا ہوں کہ غیر عالم کی اصلاح بدون محقق عالم (۲) کے نہیں ہوسکتی جس طرح شعراء زبان کو خوب سمجھتے اسی طرح محققین شریعت کو خوب سمجھتے ہیں حالانکہ زبان ایسی چیز ہے کہ ہر زبان دان اس کو سمجھ سکتا ہے مگر پھر بھی اس کی حقیقت کو شعراء ہی زیادہ سمجھتے ہیں ہر

(۱) سورۂ فاطر: ۳۷ (۲) بغیر محقق عالم۔

شخص نہیں سمجھ سکتا چنانچہ ایک شاعر آشفتہ نے ایک شعر کہا تھا ؎

حالِ آشفتہ چہ دانی بے خبر درخیال زلفِ عنبر بوئے تو (۱)

استاد نے اس میں اصلاح کی کہ یوں کہنا چاہیئے ؎

حال آشفتہ پریشان ترشدہ درخیال زلف عنبر بوئے تو (۲)

غالب نے سنکر کہا کہ شاگرد صاحبِ حال ہے اور استاد صاحبِ قال ہے، واقعی خوب سمجھا ''چہ دانی بے خبر'' دل کی حالت کا پتہ دے رہا ہے اس جملہ نے تڑپا دیا ہے گو ''پریشان ترشدہ'' میں رعایت صنعت زیادہ ہے مگر اس میں وہ بات کہاں جو ''چہ دانی بے خبر'' میں ہے جب زبان کو بھی ہر زبان داں نہیں سمجھ سکتا تو شریعت کو جس میں زیادہ تر معانی و حقائق ہیں ہر کس کیونکر سمجھ سکتا ہے اس لئے خود اپنی اصلاح کرنا سخت حماقت ہے کسی عالم محقق سے اپنی اصلاح کروانی چاہیئے۔

علماء کو بھی اپنی اصلاح کے لئے علمائے محققین کی ضرورت ہے

اب اگر کوئی اپنے کو عالم سمجھے اسے یہ خیال مبارک ہو اور اگر غیر عالم سمجھتا ہے تو وہ بھی اسی کلیہ میں داخل ہے یہ کُلھیا بہت بڑی ہے (۳) اس میں بہت جزئیات سما جاتے ہیں غرض اس کو بھی کسی دوسرے عالم سے مشورہ کرنا چاہیئے اور اگر وہ اپنے کو عالم ہی سمجھتا رہے جب بھی اس کو اپنی اصلاح خود نہ کرنا چاہیئے کیونکہ قاعدہ ہے ''رای العلیل علیل ''(۴) طبیب مریض ہو تو اپنا علاج خود نہیں کرسکتا بلکہ

---

(۱) آشفتہ کے حال کو اے بے خبر تو کیا جانے اس خیال میں تیری زلف کی خوشبو عنبر کی مانند ہے (۲) آشفتہ کی حالت خراب ہوگئی تیری زلف کی خوشبو سونگھ کر جو عنبر کی مانند ہے (۳) یہ بہت بڑی ہنڈیا ہے جس میں سب کچھ سما سکتا ہے (۴) بیمار کی رائے بھی بیمار ہوتی ہے۔

دوسرے طبیب سے علاج کراتا ہے اسی طرح وکیل کو اپنا مقدمہ کرنا ہو تو کسی دوسرے کو وکیل بناتا ہے اسی طرح علماء کو چاہیئے کہ اپنے معاملات میں دیگر علماء سے رجوع کیا کریں۔

مشورہ کی اہمیت

اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ بزرگوں نے بھی اپنے چھوٹوں سے مشورے لئے ہیں خیر حضور ﷺ کا مشورہ کرنا تو محض صحابہ کی تطییب خاطر کے لئے تھا(۱)مگر بزرگوں کا اپنے چھوٹوں سے مشورہ کرنا واقعی مشورہ ہی کے لئے تھا چنانچہ بعض دفعہ چھوٹے ایسے مقام پر پہنچ گئے ہیں جہاں بڑے نہیں پہنچے یہ آج کل کے چھوٹے کیسے کھوٹے ہیں کہ یہ اپنے بڑوں سے بھی مشورہ نہیں کرتے بڑوں کے ہوتے ہوئے ان سے مستغنی ہوگئے (۲)

یہاں تک میں نے اس آیت کے متعلق دو مضمون بیان کئے ہیں ایک یہ کہ ہمارے امراض کی جڑ شہوت ہے اس کا علاج کرنا چاہیئے جو کہ مجاہدہ ہے، دوسرے یہ کہ ہم کو نوافل واذکار کی ساتھ انفاق کا بھی معمول مقرر کرنا چاہیئے۔

اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کے آداب

تیسرا مضمون اسی آیت سے مجھے یہ بیان کرنا ہے کہ ہم لوگوں میں یہ بھی بڑا مرض ہے کہ ہر شخص اپنی فکر میں لگا ہوا ہے دوسروں کو نفع پہنچانے کی اصلاً(۳)فکر نہیں ہمارے اندر قومی ہمدردی بالکل نہیں ہے تو ہم کو اس کا بھی معمول مقرر کرنا چاہیئے اس کا ارتباط آیت سے عنقریب ذکر کردوں گا اس کے قبل مضمون سابق کا

(۱) صحابہ رضی اللہ عنہم کی دلجوئی کے لئے تھا (۲) ان سے بے نیاز ہوگئے (۳) بالکل۔

کچھ بقیہ عرض کرنا مناسب ہے اور وہ بعض آداب ہیں انفاق کے، چنانچہ اس آیت میں بھی مذکور ہے یعنی ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ کہ تم برِ کامل کو ہرگز نہ پہنچ سکو گے جب تک ایسی چیز نہ خرچ کرو جس کو تم چاہتے ہو اس میں انفاق کا ادب بتلایا گیا ہے کہ خدا کے راستہ میں عمدہ چیز دینی چاہیئے اور دوسری آیت میں بھی ارشاد ہے ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ﴾ (۱)

''اے مسلمانو! تم اپنی کمائی ہوئی چیزوں میں سے اور ان چیزوں میں سے جو ہم نے زمین سے نکالی ہیں پاکیزہ اشیاء کو خرچ کرو'' پھر کیا رحمت ہے کہ اس کے بعد فرماتے ہیں: ﴿وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ﴾ کہ ''قصد کر کے خبیث مت دو'' اس میں یہ بتلادیا کہ اگر کسی کے پاس سارا سامان ردی ہی ہو تو اس کو اس میں سے خرچ کرنے کی اجازت ہے کیونکہ وہ قصد کر کے خبیث نہیں دے رہا بلکہ جو اس کے پاس موجود تھا وہی دے رہا ہے ممانعت اس کی ہے کہ ایک شخص کے پاس عمدہ مال بھی ہے اور خراب بھی اور وہ صدقہ کے لئے خراب اور ردی مال کا انتخاب کرے، آگے اس کا معیار بتلاتے ہیں کہ خبیث کس کو کہنا چاہیئے ﴿وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِیْهِ﴾ ''جس کو تم خود نہ لے سکو'' وہ ردی ہے۔

اس پر شبہ ہوتا ہے کہ ہم تو بعض دفعہ خراب اور ردی مال کو بھی لے لیتے ہیں واپس نہیں کرتے کہ واپسی سے دینے والے کا دل ٹوٹے گا تو فرماتے ہیں ﴿اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْهِ﴾ یعنی تم اس کو خود نہیں لے سکتے ہاں ''شرما شرمی لے لو'' تو اور بات ہے سو ایسا لینا معتبر نہیں واقعی کیا چور پکڑا ہے حقیقت میں خدا تعالیٰ کے سوا انسان کے امراض خفیہ کو کون سمجھ سکتا ہے یہی تو باتیں ہیں جن سے مخالفین نے بھی گردنیں جھکادیں اور اقرار کرلیا کہ یہ کلام بشر نہیں پھر اس پر یہ تنبہ ہوتا ہے کہ عمدہ

(۱) سورۂ بقرہ: ۲۶۷۔

مال خرچ کرنے میں رقم بھی تو بہت لگتی ہے جو نفس پر گراں ہوتی ہے اس کا کیا علاج تو فرماتے ہیں: ﴿اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ (۱)

''(یعنی یہ شیطانی دھوکا ہے) شیطان تم کو انفاق میں فقر سے ڈراتا ہے (کہ عمدہ مال خرچ کر کے فقیر ہو جاؤ گے) اور بے حیائی (یعنی بخل) کا امر کرتا ہے (واقعی یہ کتنی بڑی بے حیائی ہے کہ خدا ہی کی چیز کو خدا کے نام پر دینے سے رکتا ہے)'' اس میں اس شبہ کا ایک جواب تو یہ ہو گیا کہ عمدہ مال خرچ کرنے میں جو نفس پر گرانی ہے اس کا منشا بے حیائی ہے تم اس کو اپنا مال سمجھتے ہو اس لئے دینا گراں ہے اگر خدا کا مال سمجھنے لگو تو پھر گرانی نہ ہوگی آگے دو جواب اور مذکور ہیں، اور ''اللہ تعالیٰ تم سے مغفرت کا وعدہ فرماتے ہیں'' اور یقیناً مغفرت بہت قیمتی شے ہے جس کی برابر کوئی مال نہیں ہو سکتا۔

متاعِ جان جاناں جان دینے پر بھی سستی ہے

اور قاعدہ ہے کہ ایک قیمتی شے کے بدلہ میں اس سے بھی زیادہ قیمتی شے ملتی ہو تو پھر گرانی نہیں ہوا کرتی پس انفاق طیّبات میں تم مغفرت وثواب کا استحضار کیا کرو اس سے گرانی رفع ہو جائے گی ﴿وَفَضْلًا﴾ اور ''حق تعالیٰ فضل کا وعدہ فرماتے ہیں'' جو اپنے عموم سے فضل دنیوی کو بھی شامل ہے اس میں یہ وعدہ ہے کہ صدقہ سے مال کم نہ ہوگا بلکہ بڑھے گا احادیث میں اس کی بہت زیادہ تصریح ہے اس کے بعد ﴿وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ میں بھی اسی شبہ کا جواب ہے یعنی ان کو مغفرت وفضل دینا کیا مشکل ہے ان کے یہاں بڑی وسعت ہے مگر اس کے ساتھ ہی مستحق کی صلاحیت ونیت کو بھی جانتے ہیں اس لئے ﴿عَلِيْمٌ﴾ فرمایا۔

(۱) سورۂ بقرہ: ۲۶۸۔

فضیلتِ علم

آگے ایک خاص فائدہ کے لئے جو عنقریب مذکور ہوگا فرماتے ہیں:

﴿يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۭ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ (۱)

''اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں علم وفہم عطا فرماتے ہیں اور جس کو علم دیا گیا اس کو بڑی خیر دی گئی اور نصیحت کو اہل عقل ہی قبول کرتے ہیں'' حقیقت میں جس کو علم مل گیا ہے اس کو اتنی خیر مل گئی ہے کہ اس کے سامنے ساری دولتیں اور مال ہیچ ہیں اور یہ محض زبانی ہی دعویٰ نہیں بلکہ جن کو یہ دولت مل گئی ہے ان کے دل سے پوچھو، حضرت علی رضی اللہ عنہ جوش میں آکر فرماتے ہیں ؎

رَضِيْنَا قِسْمَةَ الْجَبَّارِ فِيْنَا ۔۔۔ لَنَا عِلْمٌ وَلِلْجُهَّالِ مَالٌ

فَاِنَّ الْمَالَ يَفْنٰى عَنْ قَرِيْبٍ ۔۔۔ وَاِنَّ الْعِلْمَ بَاقٍ لَا يَزَالُ (۲)

وہ بہت خوشی سے اس تقسیم پر راضی ہیں کہ ان کو علم دیا گیا اور جاہلوں کو مال اسی طرح ایک بزرگ ایک شہر میں تشریف لے گئے دیکھا کہ دن میں شہر پناہ بند ہے اس کا سبب پوچھا تو معلوم ہوا کہ بادشاہ کا بازاڑ گیا ہے اس نے اس خیال سے شہر پناہ بند کرائی ہے کہ کہیں دروازہ میں کو نہ نکل جائے، یہ بزرگ بہت ہنسے اور آسمان کی طرف منہ کرکے ناز میں آکر حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ اچھے احمق کو بادشاہی دی اور ہم اتنے بڑے عاقل اور ہمارا لباس بھی درست نہیں وہاں سے الہام ہوا کہ بہت اچھا کیا تم اس پر راضی ہو کہ بادشاہ کی حماقت مع بادشاہی کے تم کو

(۱) سورۂ بقرہ:۲۶۹ (۲) ہم اللہ تعالیٰ کی اس تقسیم پر دل سے راضی ہیں ہمیں علم دیا گیا اور جاہلوں کو مال اس لئے کہ مال تو عنقریب فنا ہوجائے گا اور علم ہمیشہ باقی رہے گا اس پر کبھی زوال نہیں۔

دے دی جائے اور تمہاری معرفت مع فقر کے اس کو دے دی جائے یہ سن کر وہ بزرگ لرز گئے اور فوراً سجدہ میں گر پڑے کہ میں اپنی معرفت کے دینے پر راضی نہیں چاہے اس سے بھی زیادہ فقر کیوں نہ ہو آخر ان کے پاس کوئی تو دولت تھی جسے بادشاہی سے بدلنے پر راضی نہ ہوئے وہ دولت یہ تھی ؎

بفراغِ دل زمانے نظرے بماہ روئے بہ ازاں کہ چتر شاہی ہمہ روز دہاے ہوئے (۱)

اور یہ وہ دولت تھی جس کو حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ ملک سنجر کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں ؎

چوں چترِ سنجری رخِ بختم سیاہ باد دردل اگر بود ہوسِ ملکِ سنجرم
زانگہ کہ یافتم خبراز ملکِ نیم شب من ملکِ نیمروز بیک جونمی خرم (۲)

ان کو توجہ میں حق تعالیٰ سے جیسا قرب حاصل ہوتا ہے اس وقت کسی بادشاہ کی ان کے سامنے کچھ ہستی نہیں ہوتی اسی کو عارف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

دوش وقت سحر از غصہ بخاتم دادند وندراں ظلمتِ شب آبِ حیاتم دادند (۳)

اور فرماتے ہیں ؎

گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی بیں کہ ناز بر فلک وحکم برستارہ کنم (۴)

(۱) فارغ دلی کے ساتھ اگر ایک زمانہ تیری طرف متوجہ ہونے کا مل جائے تو اس کے مقابلہ میں چتر شاہی کی بھی کوئی حیثیت نہیں ہے کہ اس میں ہمہ وقت شور وشغب ہی ہے (۲) سنجر کی کالی چھتریوں کی طرح میرا مقدر بھی سیاہ ہوجائے اگر میرے دل میں سنجر کی بادشاہت کا خیال بھی آئے جب سے مجھے نیم شبی کی بادشاہت ملی ہے میں ملکِ نیم روز کی بادشاہت ایک دانہ جو کے عوض بھی لینے کو تیار نہیں (۳) رات کے آخری پہر میں مجھے اپنی انگوٹھی کی چمک اور اس سے پیدا ہونے والی روشنی پر بھی غصہ آتا ہے کیونکہ رات کی وہ تاریکی اللہ کی طرف متوجہ ہونے کی وجہ سے میرے لئے آب حیات کا درجہ رکھتی ہے (۴) ان کے میکدہ کا فقیر ہوں لیکن جب ان کی عطا کردہ شراب سے مست ہوجاتا ہوں تو اس وقت فلک پر ناز اور ستاروں پر حکم کرتا ہوں۔

اسی کو حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ؎

رَضِیْنَا قِسْمَةَ الْجَبَّارِ فِیْنَا لَنَا عِلْمٌ وَلِلْجُهَّالِ مَالٌ

علم سے مراد معرفتِ حق ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر ضروریات میں ان کو تنگی پیش آئے تو اس سے کلفت (۱) نہیں ہوتی بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کلفت پر راضی ہوتے ہیں ان کو اس میں بھی لذت آتی ہے پس حقیقت میں جس کو علم مل گیا اس کو خیر کثیر مل گئی۔

آیات میں ربط

اب یہاں یہ سوال ہوتا ہے اور وہ فائدہ موعودہ یہی ہے کہ اس آیت کو ماقبل سے کیا ربط ہے اوپر تو انفاق طیّبات کا ذکر تھا یہاں علم کا ذکر کیونکر ہونے لگا سو اس کا ایک ربط تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہاں علم کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ اس کو سہولت انفاق میں دخل ہے کیونکہ جس کو علم حاصل ہو گیا یعنی معرفت حق وہ یہ سمجھے گا کہ میں محبوب کے حضور میں مال پیش کر رہا ہوں تو اُسے خرچ میں تنگی نہ ہوگی اس لئے فرماتے ہیں کہ جس کو علم دیا اس کو خیر کثیر دی گئی۔

دوسرا ربط میرے ذہن میں یہ آیا ہے کہ قرآن میں مال کو خیر سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہاں علم کو خیر کثیر کہا گیا ہے اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جب خیر ادنی کے انفاق کا اس قدر اہتمام ہے تو علم کے انفاق کا کیا کچھ اہتمام ہونا چاہیئے جو خیر میں اس سے اعلیٰ بھی ہے اور اہلِ علم کو مال سے زیادہ محبوب بھی ہے اور قاعدہ یہ ہے: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾

(۱) پریشانی۔

انفاقِ علمی

پس اہلِ علم کو اپنے علم کی اشاعت و انفاق کرنا چاہیئے اس کے بعد انفاق کے درجات فرماتے ہیں: ﴿وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیْمٌ﴾ مشہور تفسیر میں تو یہ آیت پہلی آیت کی تائید ہے مطلب یہ ہے کہ محبوب چیز کو خرچ کرو آگے تاکید ہے کہ ضرور خرچ کرو کیونکہ جو کچھ تم خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ اس کو جانتے ہیں تو اس پر جزا دیں گے مگر میرے ذوق میں یہ آتا تھا کہ: ﴿وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ﴾ میں پہلی آیت کے مقابل کی شق مذکور ہے اور مطلب یہ ہے کہ بر کامل (۱) کو تو اسی وقت پہنچو گے جب محبوب کو خرچ کرو گے اور باقی اگر بر کامل کی کسی کو توفیق نہ ہو تو یوں جو کچھ بھی خرچ کرو گے وہ خدا کو معلوم ہی ہے کچھ نہ کچھ ثواب دے ہی دیں گے مگر مجھے اس کے متعلق دعویٰ تفسیر کی جرأت نہ ہوتی تھی لیکن میں نے بیضاوی کو جو منگوا کر دیکھا تو اس میں لکھا تھا ﴿وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ﴾ (مَحْبُوْبٍ) ﴿فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیْمٌ﴾ (۲) تو میں نے کہا الحمد للہ میں اس تفسیر میں متفرد نہیں ہوں علماء سلف بھی اس طرف گئے ہیں سو ایک انفاق یہ ہوا یعنی انفاق علمی۔

انفاق دعائی

اب ایک تیسرا انفاق رہا یعنی انفاق دعائی سو جو لوگ مال اور علم دونوں سے محروم ہوں وہ دعا سے نفع پہنچائیں پس یہ کام یعنی دعا تو سب کے کرنے کا ہے یعنی اہل مال و اہل علم بھی دعا سے غافل نہ ہوں سب کو مسلمانوں کے لئے دعا کرنی چاہیئے اس سے بھی مسلمان کو بہت نفع ہوتا ہے بشرطیکہ دل سے دعا کی جائے یہ سب

(۱) کامل نیکی (۲) جو کچھ بھی تم پسندیدہ یا غیر پسندیدہ چیزیں خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے۔

اقسام ہیں نفع کے جو انفاق کے افراد ہیں بعض حقیقۃً بعض حکماً یعنی نظائر چنانچہ عنقریب واضح ہوگا۔

خلاصہ تقریر

خلاصہ یہ کہ اس وقت میں نے تین مضمون بیان کئے ہیں ایک ترک شہوات اور دوسرے انفاق مال تیسرے ایصال نفع، اب میں تینوں کا مدلول نص ہونا بتلاتا ہوں۔ انفاق مال تو صراحۃً مدلول نص ہے لیکن ترک شہوات وایصال نفع (علمی و دعائی) کو میں نے اس کے ساتھ اس لئے بیان کردیا اور یہی تقریر ہے ارتباط موعود(۱) کی کہ ان میں انفاق کی حقیقت کا ایک ایک جزو موجود ہے کیونکہ انفاق کا تعلق دو شخصوں سے ہے منفِق سے اور منفَق علیہ (۲) سے اور ہر اک کے اعتبار سے اس میں ایک ایک جزو ہے منفِق کے اعتبار سے انفاق کا ایک جزو مجاہدہ ہے (۳) کیونکہ اس سے نفس کو کلفت ہوتی ہے (۴) اور ترکِ شہوات میں بھی کلفت ہے (۵) تو مجاہدہ ہونے میں ترکِ شہوات انفاق کا شریک ہے، اور منفَق علیہ کے اعتبار سے انفاق کا دوسرا جزو ایصال نفع ہے (۶) ایصال نفع علمی و دعائی اس جزو میں انفاق کا شریک ہے (۷) گو اس صورت میں مال تو دوسرے کے پاس نہیں پہنچتا مگر خیر تو پہنچتی ہے دوسرے کو نفع تو ہوا اور انفاق مال کی فضیلت ایصال نفع ہی کی وجہ سے ہے اس لئے یہ بھی انفاق کے حکم میں ہے۔

طریقہ استدلال اور ربط آیات

مگر ان دونوں چیزوں کو انفاق میں داخل کرنا قیاسِ نظری کے طور پر ہے یہ مطلب نہیں کہ اس نص میں جو لفظ انفاق وارد ہے وہ ان سب کو ارادۃً مشتمل ہے

(۱) ذکر کردہ ربط کی (۲) خرچ کرنے والے اور جس پر خرچ کیا جائے (۳) خرچ کرنے والے کی حیثیت سے انفاق کا ایک جزو مجاہدہ ہے (۴) تکلیف ہوتی ہے (۵) اور خواہشات کے ترک میں بھی پریشانی ہے (۶) نفع پہنچانا (۷) علم اور دعا کے ذریعہ نفع پہنچانا انفاق کا ایک جزو ہے۔

اور یہ سب اس سے مراد ہیں کیونکہ اس صورت میں جمع بین الحقیقۃ والمجاز لازم آئیگا بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہاں تو انفاق مال ہی کا ذکر ہے لیکن قیاساً ترکِ شہوات وایصال نفع علمی بھی اس کے حکم میں ہیں لہذا علتِ جامع کی وجہ سے ان دونوں کا بھی مامور بہ ہونا لازم آ گیا اور نصوص و احادیث میں غور کرنے سے اس قیاس کی تائید ہوتی ہے چنانچہ ایصال نفع علمی کا بحکم انفاق مال ہونا تو اوپر آیت ﴿یُؤْتِی الْحِکْمَۃَ مَنْ یَّشَآءُ﴾ کے دوسرے ربط میں معلوم ہو چکا ہے جہاں مادہ خیر کے اشتراک سے استدلال کیا ہے اور ترکِ شہوات کا بحکم انفاق ہونا اسی جگہ آیت: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ﴾ کے ربط سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس آیت کا ارتباط آیتِ سابقہ سے تو ظاہر ہے مگر آیتِ لاحقہ سے ظاہر نہیں اس سے پہلے تو یہ آیت ہے: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَھُمْ کُفَّارٌ فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِھِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَھَبًا وَّلَوِافْتَدٰی بِہٖ ؕ اُولٰٓئِکَ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ وَّمَالَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ﴾(۱) اس میں کفار کا حال مذکور ہے کہ اگر وہ آخرت میں زمین بھر سونا دے کر بھی عذاب سے بچنا چاہیں تو یہ فدیۂ مالیہ قبول نہ ہوگا جس کا حاصل یہ ہوا کہ آخرت میں انفاق نہ ہوگا آگے: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ﴾ میں یہ بتلایا ہے کہ دنیا میں خرچ کرنا البتہ نافع ہے اس کے بعد یہ آیت ہے: ﴿کُلُّ الطَّعَامِ کَانَ حِلًّا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ﴾(۲) اس کے ربط میں کلام ہے کہ: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ﴾ سے اس کو کیا تعلق ہے بعض علماء نے تو اس کا ربط دور سے لیا ہے کہ اوپر سے یہود کے ساتھ محاجہ ہو رہا ہے: ﴿کُلُّ الطَّعَامِ کَانَ حِلًّا﴾ کو بھی اسی محاجہ سے ربط ہے اور ایک ربط میرے ذہن میں آیا ہے اس

(۱) ''بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور وہ بھی مر گئے حالت کفر ہی میں سو ان میں سے کسی کا زمین بھر سونا بھی نہ لیا جاویگا اگر وہ معاوضہ میں اس کو دینا بھی چاہیں اُن لوگوں کو سزائے دردناک ہوگی اور ان کے کوئی حامی بھی نہیں ہونگے'' سورۂ ال عمران: ۹۱ (۲) ''سب کھانے چیزیں حلال تھیں'' سورۂ ال عمران: ۹۳۔

کے موافق آیت: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَ﴾ ہی سے ربط ہوسکتا ہے وہ یہ کہ انفاق مشتمل ہے مجاہدہ وایصال نفع پر پس آیت آئندہ کو اس آیت سے یوں ارتباط ہوگا کہ: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَ﴾ انفاق کا حکم ہے جو مجاہدہ کو مشتمل ہے اشتمال کی تقریر اوپر آچکی ہے اور: ﴿كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ﴾ میں یعقوب علیہ السلام کا واقعہ مذکور ہے کہ انہوں نے بعض لذائذ کو اپنے اوپر حرام کرلیا تھا اور یہ بھی مجاہدہ تھا تو دونوں آیتوں میں مابہ الارتباط ذکر مجاہدہ ہے اور یعقوب علیہ السلام کے واقعہ میں تو شہوات مباحہ (۱) کا ترک تھا اس سے شہوات غیر مباحہ کا ترک بدرجۂ اولیٰ ضروری ہوگیا (۲)۔

حاصلِ وعظ

تو اب اس آیت سے بواسطہ وبلا واسطہ تینوں مضامین کا حکم مفہوم ہوگیا پس مالداروں کو چاہیئے کہ مال خرچ کریں اور فقراء کو مالی نفع پہنچائیں، اور اہل عیش کو چاہیئے کہ معاصی سے باز آئیں، اور اہلِ سلوک کو چاہیئے کہ شہوات ولذات مباحہ میں انہماک سے باز آئیں کیونکہ شہوت ہی تمام امراض کی جڑ ہے اور دیکھئے یہاں ﴿مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ فرمایا ہے جس میں ''مِنْ'' تبعیضیہ (۳) ہے یہ بھی رحمت ہے کہ سارے مالِ محبوب کے انفاق پر بر کامل کے حصول کو موقوف نہیں فرمایا بلکہ بعض محبوبات کے انفاق سے بھی بر کامل حاصل ہوسکتی ہے لیکن اس سے مراد وہ بعض ہے جس کو عرفاً

(۱) جائز خواہشات (۲) ناجائز خواہشات کا ترک کرنا بدرجہ اولیٰ معلوم ہوگیا (۳) یہاں ''مِنْ'' کچھ کے معنی میں ہے یعنی کچھ ''محبوب چیزیں''۔

حصہ تو کہہ سکیں اور وہ موقوف ہے اس کے معتد بہ (۱) ہونے پر۔

اب میں ختم کرتا ہوں دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ ہم کو عمل کی توفیق دیں اور فہم سلیم عطا فرمائیں۔ آمین (۲)

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ واصحابہ واٰخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین

(۱) قابل شمار (۲) اللہ تعالیٰ ہم سب کو علم وعمل کی توفیق عطا فرمائیں آمین۔

خلیل احمد تھانوی

شب ۱۳/ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ